انٹرویو

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بر موقع صد سالہ جوبلی ۲۰۰۸

خلفاء سے گہرا تعلق۔ ابتدائی تعلیم و تربیت، غانا میں خدمات۔ اسیری، روزمرہ معمولات نوجوانوں اور عہدیداروں کو ہدایات، عالمی امور پر حضور کی گہری نظر اور مشورے

مجلس خدام الاحمدیہ یوکے کی دیرینہ خواہش تھی کہ جس طرح صد سالہ جوبلی کے موقعہ پر 1989ء میں مجلس خدام الاحمدیہ یوکے کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کا تاریخی انٹرویو لینے کی سعادت حاصل ہوئی تھی، اسی طرح خلافت جوبلی کے موقعہ پر بھی سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ سے تاریخی انٹرویو کی سعادت حاصل کرے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ازراہ شفقت مجلس خدام الاحمدیہ کی درخواست کو منظور فرمایا اور اس انٹرویو کیلئے اپنا نہایت قیمتی وقت عطا فرمایا۔ چنانچہ مجلس خدام الاحمدیہ یوکے کو دو نشستوں میں حضور کے تاریخی انٹرویو کی سعادت حاصل ہوئی۔ پہلی نشست 08رجنوری 2008ء کو ہوئی جس کا دورانیہ ایک گھنٹہ سے زائد پر مشتمل تھا اور اس میں پچیس سوالات حضور کی خدمت اقدس میں پیش کئے گئے۔ دوسری نشست 08رفروری 2008ء کو ہوئی جس کا دورانیہ دو گھنٹے کے قریب تھا۔ ہر دو نشستوں میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے بچپن، خاندانی حالات اور جماعتی خدمات کے حوالہ سے مختلف ایمان افروز واقعات بیان فرمائے۔

اس تاریخی انٹرویو کیلئے محترم صاحبزادہ مرزا فخر احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ یوکے کے ساتھ محترم طارق احمد بی ٹی صاحب، محترم ٹامی کالون صاحب اور محترم ندیم الرحمن صاحب انٹرویو پینل میں شامل تھے۔ اس موقعہ پر مجلس خدام الاحمدیہ کی طرف سے مکرم طارق چوہدری صاحب نے فوٹو گرافی کی جبکہ ان قیمتی اور تاریخی لمحات کی ریکارڈنگ کی سعادت ایم ٹی اے انٹرنیشنل کے کارکن مکرم خالد کرامت صاحب نے پائی۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا یہ تاریخی انٹرویو انگریزی اور اردو ہر دو زبانوں میں مجلس خدام الاحمدیہ یوکے کے رسالہ "طارق" کے خلافت جوبلی نمبر 2008ء میں شائع ہو چکا ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا یہ تاریخی انٹرویو اردو اور انگریزی زبانوں میں حضور انور کی ہدایات کی روشنی میں نظر ثانی کے بعد احباب جماعت کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

انٹرویو حضور انور نمبر۔۱

۸رجنوری ۲۰۰۸ء

صدر صاحب: حضور! کیا آپ اپنے بچپن کے بارے میں ہمیں بتا سکتے ہیں ۔ کچھ ایسے نمایاں واقعات جو آپ بتانا پسند فرمائیں؟

حضور: ویسے تو میں پرانی باتیں یاد رکھا ہی نہیں کرتا۔ کئی باتیں ہیں مثلاً جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی وفات ہوئی ہے تو میں پندرہ سال کا تھا اس وقت۔ اس سے پہلے چھوٹی عمر میں بھی ایک عزت اور احترام ہوتا تھا۔ باوجود اسکے کہ وہ میرے نانا تھے کبھی ہم جرأت نہیں کرتے تھے کہ ان کے سامنے بات کریں یا آرام سے چلے جائیں۔ بڑے احترام سے جانا، احترام سے بیٹھنا۔ دوسرا یہ کہ خلافت کا احترام بہت تھا اس سلسلہ میں مجھے ایک واقعہ یاد آگیا جس نے میرے دل میں خلافت کا مزید احترام پیدا کر دیا۔ میرے دادا حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے سب سے چھوٹے بھائی تھے، وہ ایک دن مجھے ساتھ لے گئے۔ (جب حضرت مرزا شریف احمدؓ کی وفات ہوئی تو میں گیارہ سال کا تھا، اسکا مطلب ہے کہ جب مجھے ساتھ لے گئے تو میں نو یا دس سال کا تھا یا شائد اس سے بھی چھوٹا)۔ قصرِ خلافت میں ہم گئے، ربوہ میں مسجد مبارک کی طرف سے دروازہ ہوتا تھا، خود وہ نیچے کھڑے ہوگئے اور مجھے اوپر بھیجا کہ جاؤ اور بتاؤ کہ میں ملنے آیا ہوں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ان دنوں بیمار تھے اور اوپر کمرے میں آرام کیا کرتے تھے۔ یہ نہیں کہ چھوٹا بھائی ہے تو چل کر گھر میں گھس گئے، پہلے کہا کہ اطلاع کرو جا کر۔ اس وقت حضرت چھوٹی آپا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ساتھ ڈیوٹی پر تھیں۔ میں نے بتایا کہ دادا، ابا جان ہم کہتے تھے، ملنے آئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے بلا لاؤ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ لیٹے ہوئے تھے تو وہاں چھوٹی آپا نے ان کے سرہانے کرسی رکھ دی کہ آئیں گے تو بیٹھ کر باتیں کرلیں گے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اوپر کی منزل میں رہتے تھے۔ میں نیچے گیا اور حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کو اوپر بلا لایا۔ حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ السلام علیکم کر کے بجائے کرسی پر بیٹھنے کے ان کی چارپائی کے ساتھ نیچے بیٹھ گئے اور پھر بڑے ادب سے احترام سے باتیں ہوئیں اور پھر وہ کھڑے ہوئے اور سلام کر کے اسطرح احترام سے نکلے ہیں، ایک طرف سے ہو کے کہ اس وقت مجھے مزید خیال ہوا کہ یہ ہے خلافت کا احترام جو عملی شکل میرے دادا نے مجھے دکھائی۔ جس جس طرح عمر بڑھتی گئی تو پھر ہمیں احترام کی وجہ سے اور زیادہ جھجک پیدا ہوتی گئی۔ خوف ڈر نہیں تھا بلکہ جھجک احترام کی وجہ سے ہوتی تھی۔

طارق بی ٹی: آپ نے فرمایا ہے کہ وہ آپ کے نانا تھے اور رشتہ داری کا بھی ایک لحاظ ہوتا ہے؟

حضور: وہ میرے نانا تھے اور نانا ہونے کی بے تکلفی کی وجہ سے مذاق بھی کرلیا کرتے تھے۔ وہ مذاق بھی کرتے تھے اور Enjoy بھی کرتے تھے لیکن اس کے باوجود ہم میں جرأت نہیں ہوتی تھی کہ ہم بھی اسی طرح آگے سے جواب دے دیں، جیسے ہوتا ہے کہ بعض دفعہ بچے آگے سے جواب دے رہے ہوتے ہیں۔

طارق بی ٹی: آپکے اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ کیسے Relationship تھے؟

حضور: (ٹومی کاہلوں کی طرف انگریزی میں) کیا آپ کو سمجھ آئی؟

حضور: کیسی Relations تھیں بہن بھائیوں کے ساتھ؟ میں اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا اور سب سے چھوٹے بھائی بہن جو ہوتے ہیں ان میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ ہر کوئی جو بڑا ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ میرا یہ کام کردو اور میرا یہ کام کردو۔ لیکن بہرحال ہم بہن بھائیوں میں تعلق بھی بڑا تھا خاص طور پر میری سب سے بڑی بہن جو ہیں اور میرے سے Immediate بڑے بھائی جو ہیں ان سے میرا خاص تعلق تھا اور باقی بہن بھائیوں کا بھی احترام اور ادب وغیرہ بڑا تھا۔ کبھی تُو تکار نہیں کی، کبھی بھی سامنے اونچی آواز میں نہیں بولے۔

صدر صاحب: حضور بچپن کا کوئی ذاتی یا جماعت کے حوالہ سے ایسا واقعہ جو پھوپھی یا بہن بھائیوں کے ساتھ ہو جسے حضور Share کرنا چاہیں۔

حضور: تربیت ہماری یہ تھی کہ بچپن سے ہی اطفال الاحمدیہ کی تنظیم کے ساتھ منسلک تھے اور میرے بڑے بھائی زعیم محلہ تھے، وہ خدام الاحمدیہ میں جاتے ہی زعیم بن گئے تھے اور میں ابھی اطفال میں تھا۔ وہ تین سال بڑے تھے۔ زعیم ہونے کے لحاظ سے میں ان کی اور بھی عزت کرتا تھا۔

طارق بی ٹی: تو کیا اس طرح وہ آپ کو Instructions بھی زیادہ دیتے تھے؟

حضور: نہیں۔ وہ اس طرح نہیں بلکہ جس طرح باقیوں کو نارمل Treat کرتے تھے اسی طرح مجھے بھی کرتے تھے۔

صدر صاحب: حضور کی Hobbies اور Interests کے بارہ میں کچھ جاننا چاہتے ہیں۔

حضور: As such تو میری کوئی بھی Hobbies نہیں تھیں مگر باقاعدہ گیم ہم ضرور کیا کرتے تھے۔ دوسرے ہمارے والد صاحب کو شکار کا بڑا شوق تھا۔ ہر ہفتہ میں چھٹی کے دن وہ شکار پر جاتے تھے اور ہمیں ساتھ لے جاتے تھے۔ شروع کے زمانے میں ربوہ میں کچی سڑکیں ہوتی تھیں اور ربوہ کے ساتھ کا علاقہ جنگل کی طرح تھا۔ ہمارے بچپن میں اتنا آباد نہیں ہوا تھا۔ ہم پیدل ہی جاتے تھے اور ربوہ سے باہر نکلتے ہی شکار شروع ہوجاتا تھا۔ اب تو ربوہ میں اتنی ایئر گنز ہیں کہ انہوں نے شکار کو ختم ہی کر دیا ہے۔

طارق بی ٹی: کوئی خاص چیز جس کا شکار کیا کرتے تھے؟

حضور: فاختہ، خرگوش، تیتر اور اس کے علاوہ کبوتر بھی مل جایا کرتے تھے۔ اس لئے بچپن سے ہی اس کا شوق تھا۔ ہمارے پاس ایئر گن ہوتی تھی۔ ہم دونوں بھائی کچھ فرق سے تھے اس لئے خود بھی نکل جاتے تھے۔ جلسے کے بعد وہاں پرالی آیا کرتی تھی، Rice stalk کو پرالی کہتے ہیں۔ وہ وہاں پڑی ہوتی تھی اور اس میں فاختائیں اور چڑیاں وغیرہ بہت آتی تھیں۔ ایئر گن ہوتی تھی اس سے (ہم) بڑے نشانے لیا کرتے تھے۔ اسکے بعد خوب بھون کر اس کے تکے بھی بنا کر کھایا کرتے تھے۔

بہرحال اس لحاظ سے یہ (شکار) بھی ایک ہابی رہی کہ بڑے ہو کر جب بھی وقت ملتا تھا یا سیزن آتا تھا تو ہفتہ میں ایک دفعہ ضرور شکار کیلئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ شام کو ہم باقائدہ گیمز بھی کرتے تھے۔ ہمارے گھر کے سامنے گراؤنڈ ہوتی تھی۔ اس وقت بہت گھر نہیں بنے ہوئے تھے بس شروع کے چند ایک گھر تھے اور ایک بہت بڑا خالی میدان ہوتا تھا۔ وہاں بڑے کرکٹ کھیلا کرتے تھے اور ہم بیٹھ کر ان کو دیکھا کرتے تھے۔ اسکے بعد ہی شاید شوق Develop ہوگیا۔ فخر (صدر صاحب خدام الاحمدیہ یوکے) کے دادا کی ایک ٹیم ہوتی تھی اور وہ اس کے کیپٹن ہوتے تھے۔ اس میں ان کے بھائی اور بہت سے اور لوگ کرکٹ کھیلتے تھے۔ اکثر ان میں سے فوت ہو چکے ہیں یا اَسی پچاسی سال کی عمر کو Touch کر رہے ہیں۔ ہم سارا دن بیٹھ کر ان کو دیکھا کرتے تھے۔ مستقل گیم کرکٹ یا بیڈمنٹن وغیرہ باہر جا کر کھیلتے رہے ہیں۔

طارق بی ٹی: کیا شکار کا شوق آپ کو بچپن سے ہی تھا؟

حضور: ابّا کے ساتھ جاجا کر بچپن سے ہی شوق ہوگیا تھا۔ بلکہ بعض دفعہ ہمیں اتنا چلاتے تھے کہ ہم لوگ تھک جاتے تھے۔جس دن خرگوش کا شکار ہوتا تو اس دن مشکل پڑ جاتی تھی کیونکہ اٹھا کر لانا بڑا مشکل ہوتا تھا۔

طارق بی ٹی: یہاں کے لوگ بہت نرم دل ہیں ۔صدر صاحب سے بھی عموماً یہی بات ہوتی ہے کہ چھوٹی سی عمر میں سکولوں میں ایسا نرم دل بنا دیتے ہیں کہ شکار کرنا بہت مشکل لگتا ہے۔

حضور: آپ نرم دل ہیں؟ یہاں تو شکار کا میگزین آتا ہے۔اس میں بارہ سال کے بچے بچیاں بڑی اچھی شوٹنگ کر رہے ہوتے ہیں۔

ٹومی : حضور میں ان واقعات اور روحانی تجارب کے بارہ میں جاننا چاہوں گا جن کا مشاہدہ آپ نے خدا تعالیٰ کی ہستی کے زندہ ثبوت کے طور پر اپنے بچپن کی عمر میں کیا؟

حضور: بچپن اور ابتدائی عمر سے تعلق رکھنے والے واقعات تو بہت ہیں۔ان میں سے ایک واقعہ اسوقت کا ہے جب میں پندرہ سال کا تھا۔اس وقت دسویں جماعت کا امتحان جسے میٹرک بھی کہتے ہیں ہوا کرتا تھا،اب بھی ہوتا ہے۔سیکنڈری بورڈ کے امتحان کا یہ پہلا تجربہ ہوا کرتا ہے اس سے پہلے اگرچہ سکول میں امتحان ہوتے ہیں لیکن میٹرک کیلئے بورڈ کے امتحان میں بیٹھنا پڑتا ہے۔اس امتحان میں میرا Maths کا پیپر بہت خراب ہوا تھا اور بظاہر کوئی امید نہیں تھی کہ میں اس سال میٹرک کے امتحان میں کامیاب ہوسکوں گا۔ چنانچہ اس کا ایک ہی حل تھا کہ خدا کے آگے جھکا جائے۔اس لئے رزلٹ آنے تک تین ماہ کا جو وقت تھا اس میں میں نے بہت دعائیں کیں۔ یہ میرے لئے ایک قسم کا زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔آخر کار جب رزلٹ آیا تو میں امتحان میں پاس تھا۔مجھے اس بات پر خوشی کے ساتھ ساتھ سخت تعجب تھا کہ آخر یہ کیسے ممکن ہوا کیونکہ ریاضی کا پرچہ جس میں ، میں دس فیصد سے زیادہ نمبروں کی توقع نہیں کر رہا تھا اسمیں مجھے "C" گریڈ ملا۔ پھر کچھ دیر بعد جا کر پتہ لگا کہ چونکہ اس سال ریاضی کا سخت اور مشکل پرچہ ڈالا گیا تھا اس لئے کئی سٹوڈنٹس کی طرف سے اسکے متعلق آواز اُٹھائی گئی تھی چنانچہ سیکنڈری بورڈ نے Grace Marks دینے یا پرچوں کی مارکنگ میں نرمی کرنے کا فیصلہ کیا۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ ان دعاؤں کا فیض خود مجھے بھی پہنچا اور میرے علاوہ اس کا فائدہ دیگر سٹوڈنٹس کو بھی ہوا۔

ندیم الرحمن: حضور! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کا فرد ہونا حضور انور کی پرورش پر کس رنگ میں اثر انداز ہوا؟

حضور: میرا خیال ہے کہ میری پرورش اور تربیت میں خاندان کے دیگر افراد کی نسبت میری اپنی فیملی کا کردار اور اثر زیادہ ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ہمارے گھر کا ماحول بہت دینی اور اصولوں اور نظم و ضبط کی سختی سے پابندی کرنے والا ماحول تھا۔ اِس لئے گھر کا کوئی فرد اسلام کی بنیادی تعلیم سے اِدھر اُدھر نہیں ہوسکتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میرے ابّا مجھے نمازِ فجر کیلئے اٹھایا کرتے تھے اور اگر میں گہری نیند میں ہوتا تو وہ میرے منہ پر پانی کے چھینٹے مارا کرتے تھے اس طرح میں گہری نیند سے اُٹھنے کے قابل ہوجاتا تھا۔ فجر کے بعد وہ مجھے اور میرے بھائی کو ورزش کرنے کو کہتے تھے اور خود بھی ورزش کیا کرتے تھے اور ہم انہیں Follow کیا کرتے تھے۔تو بچپن کی ابتدائی عمر سے ہی Disciplined اور قواعد وضوابط کے مطابق زندگی تھی۔

طارق بی ٹی: حضور آپ نے پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا ذکر کیا۔عموماً کہا جاتا ہے کہ انسان کی زندگی پر ایک رول ماڈل کا اثر ہوتا ہے۔ ذاتی طور پر حضور انور پر کس کا سب سے زیادہ Influence تھا۔

حضور: ایک تو خلافت کے ساتھ تعلق تھا دوسرا پورے گھر کا ماحول ہی ایسا تھا۔ پھر ہمارے گھر میں ایک بات جس کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا تھا وہ یہ تھی کہ چھوٹی عمر سے سولہ سترہ سال کی عمر تک یہ ہدایت تھی کہ مغرب کے بعد گھر سے باہر نہیں نکلنا۔ باوجود اسکے کہ ہمارے ارد گرد دائیں بائیں اپنے لوگ ہی ہمسائے تھے اور گھروں کے بیچ میں دروازے کھلا کرتے تھے۔لیکن ہمیں ہدایت تھی کہ عشاء کے بعد فوراً گھر آنا ہے اور آس پاس دوسروں کے گھر نہیں جانا۔رات کے وقت جو لڑکے آوارہ گردی کرتے رہتے ہیں اور پھر خراب ہوجاتے ہیں، اس وجہ سے یہ ہدایت تھی۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ جب میرے بھائی کالج میں FSc میں پڑھتے تھے، اس وقت کالج میں یونین الیکشن ہو رہے تھے تو وہ دوپہر کو گھر نہیں آئے۔ ہمارے والد صاحب یہی سمجھے کہ کوئی پریکٹیکل ہے، کیونکہ اس وقت دوپہر سے شام تک پریکٹیکل ہوا کرتے تھے۔لیکن جب مغرب کا وقت گزر گیا اور بھائی اس وقت تک گھر نہ آئے تو انہوں نے پتہ کرنے کیلئے کالج فون کیا تو پتہ لگا کہ بھائی کالج کی الیکشن Campaign میں شامل تھے اور اس کیلئے کوئی Planning وغیرہ ہو رہی تھی، اس لئے وہ گھر نہیں آئے۔ چنانچہ جب واپس آئے تو ابّا نے کہا کہ یہ غلط طریقہ ہے۔ جو کرنا ہے مغرب سے پہلے پہلے کرنا چاہیے۔مغرب کے بعد کوئی کالج والج نہیں، تو یہ چیزیں جو تھیں۔ اگر عقل ہو تو دوسروں کو دیکھ کر انسان خود سیکھ لیتا ہے۔

صدر صاحب: صحابہ میں سے حضور کو کونسے بزرگ یاد ہیں؟

حضور: صحابہ میں سے حضرت مولانا راجیکی صاحب کے پاس بھی میں گیا ہوں اور انہیں میں نے دیکھا ہے۔انہوں نے ایک تہ خانہ میں کمرہ بنایا ہوا تھا۔ ادھر بیٹھے رہتے تھے، وہیں دعائیں کرتے تھے۔ جو بھی آتا تھا تو دعا کیلئے ہاتھ اٹھا کر دعا کیا کرتے تھے۔ میں بھی دعا میں شامل ہوا۔ حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری بھی ابّا کے پاس اکثر آیا کرتے تھے۔اس وقت جمعہ مسجد مبارک میں ہوا کرتا تھا، مسجد اقصیٰ نہیں بنی تھی۔ ان کے ساتھ بھی بیٹھ جایا کرتا تھا، میں کچھ سات آٹھ سال کا تھا جب ان کی وفات ہوئی۔

پھر ہمارے مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری صاحب جو تھے ان کا آنا جانا بھی کافی تھا۔مولوی قدرت اللہ سنوری صاحب وہ ہیں جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے فارم پر سندھ میں رہے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سندھ دورے پر گئے۔ میرا خیال ہے شاید کپاس کی فصل تھی، دیکھ رہے تھے کہ ایکڑ کی کتنی Yield نکل آئے گی۔ انہوں نے کہا کہ اتنی نکل آئے گی۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور عبدالرحیم درد صاحبؓ آپس میں انگریزی میں باتیں کرنے لگے کہ مولوی صاحب کو شاید سمجھ نہ آئے کہ یہ ایسے ہی کہتے ہیں اتنی نہیں نکل سکتی۔ مولوی صاحب تو سمجھتے تھے، وہ کہنے لگے میاں صاحب اتنی نکل آئے گی کیونکہ میں نے اس فارم کے ہر کونے میں دو دو نفل پڑھے ہوئے ہیں۔ مجھے دعاؤں کا اتنا یقین ہے کہ انشاء اللہ اتنی نکل آئے گی، اور نکلتی بھی تھی اتنی۔ تو پرانے بزرگوں کی ایک بات یہ بھی تھی کہ ان کا دعاؤں پر اتنا یقین تھا اور دعاؤں سے بہت کام لیتے تھے۔

ٹومی: حضور بطور طالب علم کیسے تھے؟

حضور: بہت ہی کمزور طالب علم تھا اور اپنے تمام ساتھیوں میں سے سب سے کمزور ترین طالب علم تھا۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں نے میٹرک کا امتحان کس طرح پاس کیا تھا۔دسویں کا امتحان پاس کرنے کے بعد، جیسا یہاں GCSE ہوتی ہے میں نے مزید تعلیم کیلئے میڈیکل سائنس کے مضامین منتخب کئے جنہیں پری میڈیکل سائنس کے مضامین کہا جاتا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ میں ایک کمزور طالب علم ہوں میری ہمت بلند تھی البتہ میں ان مضامین میں چل نہ سکا۔ لہٰذا دو سال بعد میں نے ان مضامین کو چھوڑ کر آرٹس کے مضامین غالباً پولیٹیکل سائنس اور اکنامکس رکھ لئے۔ اِسکے باوجود بھی میں بورڈ کا امتحان پہلی کوشش میں پاس نہیں کر سکا اور ان میں سے ایک مضمون میں مجھے دوبارہ بیٹھنا پڑا۔ گریجویشن کے وقت بھی یہی کچھ ہوا اور دوسری کوشش میں ہی کامیاب ہوسکا۔

اسکے بعد میں ایگریکلچر یونیورسٹی میں چلا گیا کیونکہ بچپن سے ہی اسکے ساتھ میری دلچسپی تھی میں آغاز سے ہی اپنے ابا کے ساتھ انکے زرعی فارم پر جایا کرتا تھا اور وہاں دن بھر ٹریکٹر چلاتا تھا۔ کچھ دن ایسے بھی ہوتے جب میں چھ سے سات گھنٹے ٹریکٹر چلاتا تھا ایک دفعہ تو مسلسل دس گھنٹے تک میں نے ٹریکٹر چلایا۔ گو کہ زرعی یونیورسٹی میں میری تعلیمی کارکردگی بہت اچھی نہ تھی پھر بھی میں اچھے نمبروں سے کامیاب ہوگیا۔ اتنے اچھے طور پر امتحان پاس کرنے میں میں کیوں کر کامیاب ہوا، میرے خیال میں اسکے پیچھے میری دعائیں اور مستقبل کیلئے میرے اچھے ارادے ہی تھے!

اب اس موضوع پر میں مزید کہنے کی بجائے میں آپکو بتاتا ہوں کہ جب میں نے زندگی وقف کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے اللہ کے حضور دعا کی کہ اے اللہ میں ایسا اسی صورت میں کرونگا اگر ایم ایس سی (MSc) کے فائنل امتحان میں میری First Division آئے۔ میرے خیال میں یہ رزلٹ اسی دعا کا نتیجہ تھا۔

ندیم الرحمن: گزشتہ خلفاء کے ساتھ ایسی یادیں جو حضور کو مستحضر ہوں؟

حضور: جہاں تک حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا تعلق ہے انکے بارہ میں میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں۔ وہ بیمار تھے اور تقریباً 6 سال تک صاحبِ فراش رہے اور جب وہ فوت ہوئے اسوقت میں پندرہ سال کا تھا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ میرے ماموں تھے۔ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد میرے ساتھ انکی محبت اور شفقت پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ جب میں یونیورسٹی میں تھا تو حضور نے مجھے فرمایا کہ میں وہاں سے ان کیلئے خالص شہد لے کر آؤں۔ یونیورسٹی میں ایک ڈیپارٹمنٹ تھا جس کا نام Apiculture Department تھا جس میں شہد کی مکھیاں پالنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ میں وہاں سے ان کیلئے خالص شہد لیکر آتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے مجھے کچھ پیسے دیئے میں نے کہا کہ ابھی رہنے دیں جب میں شہد لے آؤں گا تو تب پیسے لے لونگا انہوں نے کہا نہیں تم یہ پیسے لے لو کیونکہ میرا طریق ہے کہ جب میں کسی کو کہہ کر کوئی چیز منگواتا ہوں تو اسکی ادائیگی پہلے کرتا ہوں۔ اتفاقاً اس مرتبہ مجھے اس ڈیپارٹمنٹ سے شہد نہ مل سکا۔ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر جو کہ احمدی تھے میں نے ان سے ذکر کیا کہ مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کیلئے شہد چاہیے۔تو انہوں نے ایسا شہد لا کر دیا جس کے اندر چھتہ بھی موجود تھا جو کہ شہد کے خالص ہونے کی نشانی ہوتا ہے وگرنہ کئی شہد فروش شہد میں مختلف چیزوں کی ملاوٹ کر کے فروخت کر دیتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ اس احمدی پروفیسر نے مجھ سے اس شہد کی قیمت نہیں لی تھی چنانچہ میں نے ایک بڑے سے جار میں وہ شہد لا کر دیا اور 20 روپے جو حضور نے مجھے شہد کیلئے دیئے تھے واپس دینے چاہے تو حضورؒ نے فرمایا کہ میں دی ہوئی رقم واپس نہیں لیا کرتا۔ یہ پیسے تمہارے ہیں خواہ شہد دینے والے نے تم سے رقم لی ہو یا نہ لی ہو۔

مجھے یاد ہے کہ جب میں نے اپنی زندگی وقف کرنے کا فیصلہ کیا تو تحریک جدید کے کارکنان نے فیصلہ کیا کہ انہیں اس مضمون کے Qualified کی ضرورت نہیں۔ان کے خیال میں نہ ہی وہ مجھے دفتری

کام سونپ سکتے تھے اور نہ ہی انہیں افریقن ممالک میں ہمارے سکولوں کیلئے اس مضمون کے کسی ٹیچر کی ضرورت تھی۔ چنانچہ میں نے براہ راست حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں ایک خط لکھا۔ حضور نے وہ خط تحریک جدید کو کاروائی کیلئے بھجوادیا۔ تحریک جدید والوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں عرض کی کہ فی الوقت انہیں اس لڑکے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کوئی اور کام میرے سپرد کرنے کو کہا۔ جب یہ جواب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو ملا تو آپ نے فرمایا کہ **"تمہیں اسکی ضرورت نہیں مگر مجھے اسکی ضرورت ہے۔"** پھر آپ نے مجھے نصرت جہاں سکیم کے تحت غانا افریقہ جانے کا ارشاد فرمایا۔ غانا روانگی کے وقت جب میں حضورؒ سے ملنے گیا تو حضور نے مجھے گلے لگایا اور کسی خلیفہ سے گلے ملنے کا یہ میرے لئے پہلا موقعہ تھا۔ بہرحال اس موقعہ پر حضور نے ایک یہ بات بھی فرمائی کہ غانا کو گولڈ کوسٹ بھی کہا جاتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ تم وہاں کسی جگہ چل رہے ہو اور تمہارے جوتے کی نوک کسی چیز سے ٹکرائے اور تم بیٹھ کر دیکھو تو تمہارے پاؤں کے نیچے سونا موجود ہو۔ ایک نہایت اہم بات جو آپ نے مجھ سے فرمائی وہ یہ تھی کہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ تم غانا ایک واقف زندگی کے طور پر جارہے ہو اور یہ بھی یاد رکھنا کہ تم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان سے تعلق رکھتے ہو اس لئے لوگوں کی نظریں تم پر ہوں گی لہٰذا ہمیشہ اپنے اللہ کو یاد رکھنا کوئی ایسا کام نہ کرنا جو اسلام کی تعلیم اور احمدیت کی روایات کے خلاف ہو۔ یہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے حوالہ سے ایک بات تھی اگرچہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی یادیں ہیں۔

جہاں تک حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا تعلق ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ میرا بچپن سے ہی آپ سے ایک بہت قریبی تعلق تھا۔ مجھے یاد ہے کہ 1972ء میں یعنی آپ کے خلیفہ منتخب ہونے سے بہت پہلے کی بات ہے کہ ہم نے الگ الگ مری جانے کا پروگرام بنایا لیکن اتفاقاً مری میں ایک جگہ ہمارا اکٹھا چند دن کا پروگرام بن گیا۔ وہاں میں آپ کے ساتھ ملکر ہائی کنگ اور کوہ پیمائی کرتا رہا۔ ہم نے سارا وقت بہت بے تکلفی کے ماحول اور Relaxed mood میں گزارا۔ جب آپ خلیفہ بنے تو میں اسوقت غانا میں تھا۔ چنانچہ آپ کے خلیفہ بننے کے بعد آپ سے میری پہلی ملاقات یہاں لنڈن میں 1985ء میں ہوئی جبکہ میں غانا سے ربوہ جاتے ہوئے لنڈن میں دو دن کیلئے رکا تھا۔ گوکہ خلیفہ بننے سے پہلے میں آپ سے بہت Free تھا لیکن اب آپ کی شخصیت مکمل طور پر بدل چکی تھی اور آپ کی نئی شخصیت کے واسطہ سے میرے انداز میں بھی ایک تبدیلی پیدا ہوچکی تھی۔

چنانچہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے یہاں لنڈن میں ملا اور مختلف امور پر گفتگو بھی ہوئی مگر اب وہ پہلے والی بات نہ تھی۔ بعد میں حضور نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم غانا واپس جانے کی بجائے ربوہ میں ہی رہو اور حضور نے وہاں ربوہ میں میری تقرری فرمادی۔ پھر حضور نے اپنے کچھ نجی کاموں کی ذمہ داریاں بھی مجھے سونپ دیں۔ میں حضور کی سندھ، پنجاب اور دیگر جگہوں پر موجود زرعی زمینوں کی دیکھ بھال بھی کرتا تھا۔ پھر حضور نے مجھ پر اس قدر اعتماد کیا کہ یہ سارے کام میرے سپرد کردیئے۔ جب کبھی میں کوئی مشورہ عرض کرتا تو حضور فوراً قبول فرمالیتے۔ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے کچھ کہا یا کوئی تجویز پیش کی اور اس معاملہ میں کسی اور نے مجھ سے مختلف رائے دی ہو اور حضور نے میری بات اور میری تجویز کو منظور نہ فرمایا ہو۔ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا۔ یہ تو ذاتی امور کے متعلق بات تھی اس کے علاوہ حضور نے جماعتی معاملات میں بھی مجھ پر بہت اعتماد کیا۔ اور یہ آپ کا اعتماد ہی تھا کہ آپ نے مجھے ناظر اعلیٰ مقرر فرمایا جو پاکستان میں سب سے بڑا جماعتی عہدہ ہے، میں ناتجربہ کار تھا اور کم عمر بھی تھا۔ اُس وقت حالانکہ مجھ سے زیادہ تجربہ کار لوگ بھی موجود تھے جو مجھ سے کہیں زیادہ قابلیت رکھنے والے، روحانی لحاظ سے بلند مرتبت والے، ذہنی صلاحیتوں میں بھی بڑھ کر تھے اور بھی بہت سے Factors تھے مگر پتہ نہیں کیوں مجھے اس عہدہ پر مقرر فرمایا؟ شاید یہ تمام خدائی منشاء تھا یا حضور کا مجھ پر اعتماد اور آپ کی دعائیں تھی۔ پاکستان میں انتظامی امور کے چلانے میں کافی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا مگر میں ان مشکلات پر قابو پانے میں باآسانی کامیاب ہوگیا۔

طارق بی ٹی: پاکستان میں خدام الاحمدیہ کے حوالہ سے بھی آپ کا ایک اہم رول رہا ہے۔ وہاں حضور کس کس عہدہ پر خدمات سرانجام دیتے رہے اور کون سا کام خاص طور پر آپ کیلئے Enjoyable تھا؟

حضور: مجھے خدام الاحمدیہ میں بھی کام کرنے کا موقع ملا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اطفال الاحمدیہ سے ہی بہت چھوٹی عمر میں یعنی سات سال کی عمر میں جبکہ اطفال الاحمدیہ کی عمر کو پہنچتے ہیں اور ذیلی تنظیم کے لحاظ سے اطفال الاحمدیہ کے معاملات میں شامل کیا جاتا ہے، مجھے کام کا موقع ملا۔ سب سے پہلے تو میں ایک عام سادہ سا طفل تھا۔ پھر 9 یا 10 سال کی عمر میں مجھے اپنے گروپ کا سائق مقرر کردیا گیا۔ آپ جانتے ہیں کہ سائق گروپ لیڈر ہوتا ہے۔ اسکے بعد مجھے منتظم اطفال کا سیکریٹری بنایا گیا اور پھر منتظم اطفال بنا پھر زعیم کی مجلس عاملہ میں بطور منتظم شامل ہوا۔ پھر زعیم بنا۔ اسکے بعد مہتمم مقامی ربوہ کی مجلس عاملہ میں ناظم عمومی مقرر ہوا۔ پھر جب میں فیصل آباد ایگریکلچر یونیورسٹی چلا گیا تو یونیورسٹی کے حلقہ کا زعیم منتخب ہوا۔ مجھے یاد ہے اس وقت فیصل آباد شہر کی چالیس مجالس تھیں اور ان میں یونیورسٹی کے حلقہ کی چالیسویں پوزیشن ہوا کرتی تھی یعنی سب سے نچلی پوزیشن۔ یونیورسٹی کے حلقہ کی زعامت کا چارج لینے کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے پہلے تین مہینے کے بعد ہی ہم تیسری پوزیشن پر آگئے تھے۔ اسکی ایک وجہ وہ تجربہ بھی تھا جو مجھے بچپن سے ہی مجلس کے کاموں کا ربوہ میں حاصل ہوا تھا۔ پھر جب میں اپنی تعلیم مکمل کرکے فیصل آباد سے ربوہ واپس آیا تو مجھے مہتمم صحتِ جسمانی مقرر کردیا گیا۔ اُس وقت خدام الاحمدیہ پاکستان کے صدر پوری دنیا کے خدام کے صدر ہوا کرتے تھے۔ اسکے بعد واقف زندگی کے طور پر غانا میں میری تقرری ہوگئی اور میں غانا چلا گیا۔ 1985ء میں غانا سے واپس آیا تو اسوقت محمود بنگالی صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ تھے۔ انہوں نے مجھے چند ماہ کیلئے مہتمم تجنید مقرر کیا اور پھر مہتمم صحتِ جسمانی اور پھر مہتمم بیرون مقرر ہوا۔ میرا خیال ہے کہ میں پہلا مہتمم بیرون تھا جسے پاکستان سے باہر کی مجالس کے دورہ پر بھجوایا گیا۔ مہتمم بیرون کے طور پر پہلی مجلس جس کا میں نے دورہ کیا یوکے کی مجلس تھی۔

طارق بی ٹی: یہ کس سال کی بات ہے حضور؟

حضور: یہ 1988ء کا واقعہ ہے۔ اسوقت صفی صاحب قائد خدام الاحمدیہ یوکے ہوا کرتے تھے۔ یہاں محمود ہال میں میں نے خدام الاحمدیہ کی میٹنگ لی تھی۔ اس طرح میں پہلا مہتمم بیرون تھا جسے حضور کے نمائندہ کے طور پر جرمنی میں خدام الاحمدیہ کے اجتماع کے افتتاح کیلئے بھجوایا گیا تھا۔ یہ بھی 1988ء کی بات ہے۔ پھر 1989ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے سسٹم میں تبدیلی فرمائی اور ہر ملک کا اپنا صدر خدام الاحمدیہ مقرر کرنے کی ہدایت فرمائی اور بیرونی مجالس کو ربوہ کے مرکز کی بجائے انکی آزاد حیثیت میں براہِ راست اپنی نگرانی میں لے لیا۔

ٹومی: ان ابتدائی خدمات سے حاصل ہونے والے تجربات نے حضور کی بعد کی جماعتی ذمہ داریوں میں کیا مدد کی؟

حضور: یہی تو میں نے بتایا ہے کہ اگر آپ ابتدائی عمر سے ہی جماعتی کاموں کی تربیت حاصل کرلیتے ہیں تو آپ سیکھ جاتے ہیں کہ آپ نے اطاعت کیسے کرنی ہے اور کس طرح دوسروں کو اپنی اطاعت کرنے والا بنانا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ 1971ء میں جب میں نے اپنی گریجویشن مکمل کرلی تو میں نے پاکستان آرمی کیلئے اپلائی کیا۔ اگرچہ اسوقت بھی میری خواہش وقف زندگی ہی کی تھی لیکن چونکہ میرے نمبر اور گریڈ اتنے زیادہ اچھے نہ تھے اس لئے میں نے یہ سوچا کہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ چونکہ تم کچھ اور نہیں کرسکتے تھے اس لئے تم نے زندگی وقف کردی ہے۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ پاکستان آرمی جوائن کرلوں اگرچہ میں آخری ٹیسٹ میں جو کہ کوہاٹ میں ہوا تھا آرمی کیلئے Reject کردیا گیا۔ وہاں (آرمی جوائن کرنے کیلئے) بہت سے ٹیسٹ ہوا کرتے تھے۔ Preliminary test، میڈیکل ٹیسٹ، تحریری ٹیسٹ اور بہت سے ٹیسٹ اور پھر آخر میں ISSB کا فائنل ٹیسٹ ہوتا ہے یعنی Interservices Selection Board Exam۔ اس غرض کیلئے آرمی میس کوہاٹ میں 3 سے 5 دن تک قیام کرنا ہوتا تھا جہاں بڑی گہرائی کے ساتھ آپ کو جانچا جاتا ہے۔ آپکا IQ چیک کیا جاتا ہے مختلف Tasks دیئے جاتے ہیں۔ میں ان سب میں بہت اچھے طور پر کامیاب ہوگیا لیکن جب انکی طرف سے ایک Practical task دیا گیا تو مجھے یاد ہے میجر رینک کا جو افسر ہمارے گروپ کیلئے مقرر کیا گیا تھا اُس نے مجھ سے پوچھا کہ اگر تم آرمی میں Select ہوجاتے ہو تو کیا تم فیلڈ میں Serve کرنا چاہو گے یا GHQ میں؟ تو میں نے جواب دیا کہ میں اپنے وطن سے محبت کی خاطر آرمی جائن کرنا چاہتا ہوں اپنے ملک کی خدمت کرنا چاہتا ہوں اور اپنے ملک کو ہر قسم کے دشمنوں سے بچانا چاہتا ہوں۔ اس لئے یہ بالکل صاف بات ہے کہ میدان جنگ ہو یا کوئی اور میدان جہاں مجھے مقرر کیا جائے وہاں اپنے ملک کی خدمت کروں گا۔

جب انہوں نے ہمیں مختلف گروپس میں تقسیم کرکے ہر ایک کو مختلف Tasks دیئے تھے، اس میں مختلف کام کرنے ہوتے ہیں۔ جیسے پُل بنانا، پہاڑوں پر چڑھنا اور دشمن پر حملہ آور ہونا وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے Tasks دیکر کارکردگی اور صلاحیت کو جانچا جاتا ہے۔ گروپ میں شامل ہر ایک فرد کو اسکی باری پر گروپ کو لیڈ کرنا ہوتا ہے۔ جب مجھے میری باری پر گروپ لیڈر بنایا گیا تو اُس میجر نے مجھ سے کہا کہ جب تم کسی گروپ لیڈر کے تحت اپنا کام سرانجام دے رہے تھے تو اس موقع پر اپنا کام کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے گروپ لیڈر کو مسلسل مشورے اور تجاویز دے رہے تھے اور جب تم گروپ لیڈر بنائے گئے تو اس وقت بھی تم اپنے ماتحت ساتھیوں کو احکامات دے رہے تھے اس نے کہا میرا خیال ہے کہ تم آرمی کی بجائے کوئی ایسا جاب تلاش کرلو جہاں تم دوسروں کو احکامات دے سکو۔

پس ابتدا سے ہی جب آپ اطفال الاحمدیہ یا خدام الاحمدیہ میں کام کررہے ہوتے ہیں تو آپ مسائل کا سامنا کرنا اور انہیں حل کرنا سیکھتے ہیں۔ دوسروں کی راہنمائی کرتے ہیں اور اچھی تجاویز دینا سیکھتے ہیں۔ تو یہ سب کچھ میں نے خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ میں سیکھا تھا۔

ندیم الرحمن: حضور آپ کو احمدیت کی خاطر اسیر رہنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی ہے؟

حضور: میرا خیال ہے کہ اب نماز کا وقت ہوگیا ہے چونکہ یہ لمبی داستان ہے اس لئے اسے آئندہ کیلئے چھوڑ دیں۔

صدر صاحب: جی حضور انشاء اللہ

پینل: جزاک اللہ حضور

حضور: السلام علیکم

❁❁❁

انٹرویو

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز برموقع صد سالہ جوبلی ۲۰۰۸

خلفاء سے گہرا تعلق۔ابتدائی تعلیم وتربیت، غانا میں خدمات۔اسیری روزمرہ معمولات نوجوانوں اور عہدیداروں کو ہدایات، عالمی امور پر حضور کی گہری نظر اور مشورے

مجلس خدام الاحمدیہ یوکے کی دیرینہ خواہش تھی کہ جس طرح صد سالہ جوبلی کے موقعہ پر 1989ء میں مجلس خدام الاحمدیہ یوکے کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کا تاریخی انٹرویو لینے کی سعادت حاصل ہوئی تھی، اسی طرح خلافت جوبلی کے موقعہ پر بھی سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے تاریخی انٹرویو کی سعادت حاصل کرے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے از راہ شفقت مجلس خدام الاحمدیہ کی درخواست کو منظور فرمایا اور اس انٹرویو کیلئے اپنا نہایت قیمتی وقت عطا فرمایا۔ چنانچہ مجلس خدام الاحمدیہ یوکے کو دو نشستوں میں حضور کے تاریخی انٹرویو کی سعادت حاصل ہوئی۔ پہلی نشست 08رجنوری 2008ء کو ہوئی جس کا دورانیہ ایک گھنٹہ سے زائد پر مشتمل تھا اور اس میں پچیس سوالات حضور کی خدمت اقدس میں پیش کئے گئے۔ دوسری نشست 08رفروری 2008ء کو ہوئی جس کا دورانیہ دو گھنٹے کے قریب تھا۔ ہر دو نشستوں میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے بچپن، خاندانی حالات اور جماعتی خدمات کے حوالہ سے مختلف ایمان افروز واقعات بیان فرمائے۔

اس تاریخی انٹرویو کیلئے محترم صاحبزادہ مرزا فخر احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ یوکے کے ساتھ محترم طارق احمد بی ٹی صاحب، محترم ٹامی کالون صاحب اور محترم ندیم الرحمن صاحب انٹرویو پینل میں شامل تھے۔ اس موقعہ پر مجلس خدام الاحمدیہ کی طرف سے مکرم طارق چوہدری صاحب نے فوٹو گرافی کی جبکہ ان قیمتی اور تاریخی لمحات کی ریکارڈنگ کی سعادت ایم ٹی اے انٹرنیشنل کے کارکن مکرم خالد کرامت صاحب نے پائی۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا یہ تاریخی انٹرویو انگریزی اور اردو ہر دو زبانوں میں مجلس خدام الاحمدیہ یوکے کے رسالہ "طارق" کے خلافت جوبلی نمبر 2008ء میں شائع ہو چکا ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا یہ تاریخی انٹرویو اردو اور انگریزی زبانوں میں حضور انور کی ہدایات کی روشنی میں نظر ثانی کے بعد احباب جماعت کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

انٹرویو حضور انور قسط 2 (آخری)

۸رفروری ۲۰۰۸ء

صدر صاحب: حضور کو احمدیت کی خاطر اسیر ہونے کی بھی سعادت عطا ہوئی۔ کیا حضور ہمیں (اپنی اسیری کے) حالات و وجوہات کے متعلق آگاہ فرمائیں گے؟

حضور: آپ پوچھنا چاہتے ہیں کہ مجھے قید کیوں کیا گیا اور یہ معاملہ کیا تھا؟ اصل معاملہ ہمارے شہر یا قصبہ ربوہ کے نام کی تبدیلی کا تھا۔ مولویوں کے مطالبہ پر پنجاب اسمبلی میں ربوہ کے نام کی تبدیلی کا معاملہ زیر بحث لایا گیا۔ ان کا خیال تھا کہ ربوہ نام مسلمانوں کیلئے مخصوص ہے کیونکہ یہ لفظ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ ربوہ کا مطلب ہے اونچی جگہ۔ بہرحال وہ اس نام کی تبدیلی چاہتے تھے پہلے انہوں نے صدیق آباد نام تجویز کیا مگر بعد میں انہیں خیال آیا کہ اس نام میں بھی اسلامی رنگ پایا جاتا ہے۔ آخر کار وہ چناب نگر کے نام پر متفق ہوئے۔ پنجاب اسمبلی نے یہ قرارداد پاس کی کہ ربوہ کا نام تبدیل کر کے چناب نگر رکھ دیا جائے اور کسی کو آئندہ اسے ربوہ کہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ ربوہ کی مین شاہراہ پر کچھ سائن بورڈ لگے ہوئے تھے جن پر اس شہر کا نام ربوہ لکھا ہوا تھا۔ حکومت یا ٹاؤن کمیٹی کے اہلکاروں نے یا پولیس میں سے کسی نے ربوہ نام کے ان سائن بورڈز پر سفیدی پھیر دی تھی۔ کسی شخص نے ان سائن بورڈ پر جو یہ سفیدی پھیری گئی تھی اسے دھو دیا۔ ان دنوں یہ معاملہ احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان خاصی کشیدگی کا باعث بن گیا تھا۔ پھر ایک معاملہ یہ بھی اٹھایا گیا کہ ربوہ کے بس سٹینڈ کے سامنے لکھی ہوئی کچھ قرآنی آیات، مجھے اسوقت پوری طرح یاد نہیں کہ قرآنی آیات تھیں یا عربی زبان میں کچھ الفاظ لکھے ہوئے تھے، بہرحال کسی شخص نے، جس کا مجھے علم نہیں کہ وہ کون تھا، اس پر یا تو پینٹ کر دیا یا پینٹ پھینک دیا۔ ایک شرارتی مولوی نے یہ آواز اٹھائی کہ مرزا مسرور احمد اور صدر عمومی کرنل ایاز احمد خان صاحب اور دو دیگر افراد نے یہ کام کیا ہے۔ چنانچہ ہمارے خلاف ربوہ کے پولیس سٹیشن میں مقدمہ درج کرا دیا گیا۔ مخالفین اس کیس میں دفعہ 295-C کے تحت کاروائی کرنا چاہتے تھے۔ اور اس دفعہ کے تحت حتمی سزا موت ہوسکتی ہے یعنی پھانسی کی سزا دی جاسکتی تھی۔

اس بات کے پیشِ نظر ہماری ربوہ کی انتظامیہ یعنی صدر انجمن احمدیہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اس F.I.R کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی۔ اسوقت میں عدالت کے سامنے پیش ہوا۔ عدالت نے فیصلہ دیا کہ یہ کیس واپس سیشن کورٹ بھیج دیا جائے جہاں یا تو ضمانت منظور کی جائیگی یا آپ کے کیس کی سماعت ہوگی۔ چنانچہ پہلے یہ کیس جھنگ کی سیشن کورٹ میں اور پھر چنیوٹ منتقل کر دیا گیا جہاں ہماری چار یا پانچ دفعہ پیشی ہوئی۔ ہمارے حق میں بہت سی شہادتوں اور دلائل کے باوجود جج نے ہمیں مجرم قرار دے کر جیل بھجوانے کا فیصلہ دے دیا۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ عدالت میں پولیس نہیں ہوتی مگر چونکہ پہلے سے یہ امر طے شدہ تھا اس لئے فیصلے سے پہلے ہی پولیس نے ہمیں گھیرا ہوا تھا۔ ہمیں پتہ تھا کہ کیا ہونے جارہا ہے۔ ہمارے دو ساتھی ماسٹر محمد حسین صاحب اور ایک لڑکا اکبر بھی ملزم قرار دیئے گئے تھے چنانچہ پولیس انسپکٹر نے آگے بڑھ کر ان دونوں کو ہتھکڑیاں لگا دیں۔ میں نے یہ دیکھا تو میں نے اپنے ہاتھ بھی آگے کر دیئے کہ ٹھیک ہے پھر مجھے بھی ہتھکڑی لگاؤ میں نے دیکھا کہ وہ انسپکٹر بہت گھبرایا ہوا اور شرمندہ تھا۔ کہنے لگا نہیں نہیں ہمیں صرف ان دونوں کو ہتھکڑی لگانے کو کہا گیا ہے آپ کو نہیں۔ ہم آپ کو صرف ان دونوں کے ساتھ پولیس سٹیشن لے جائیں گے۔ چنانچہ وہ ہمیں پولیس سٹیشن لے گئے۔ یہ جمعہ کا دن تھا مسجد اقصیٰ میں جمعہ پڑھانے والے امام صاحب نے ہمارے خلاف ہونے والے کیس کا ذکر کر دیا اور یہ بھی کہ ہمیں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ جمعہ کے بعد قریباً سارا ربوہ پولیس سٹیشن کے باہر جمع ہوگیا۔ پولیس سٹیشن کے ہر طرف مرد، عورتیں اور بچے کھڑے نظر آتے تھے۔ ہمیں ایک رات ربوہ کے پولیس سٹیشن میں رکھا گیا اور پھر اگلے دن جھنگ لے جایا گیا۔ اصل کہانی یہاں سے شروع ہوتی ہے۔

ہمیں جھنگ جیل لے جایا گیا اور جیل اہلکار ہمیں بیرکس کی طرف لے گئے۔ جب ہم اندر گئے تو وہاں دیکھا کہ بہت سے لوگ تھے جو مختلف جرائم کی وجہ سے وہاں رکھے گئے تھے۔ ان میں سے کئی ایسے بھی تھے جو دفعہ 302 میں گرفتار ہوئے تھے یعنی قتل میں ملوث ہونے کی وجہ سے وہاں جیل میں ڈالے گئے تھے۔ اسی طرح لشکر طیبہ والے بھی تھے۔ ہم اپنے حلیوں اور چہروں سے ان سے مشابہت نہیں رکھتے تھے اور ان جیسے نہیں لگتے تھے۔ ہم نے پینٹ شرٹ اور ویسٹ کوٹ وغیرہ پہنے ہوئے تھے۔ اس لئے ہم انہیں بہت معزز دکھائی دیئے۔ جب انہوں نے ہمیں اندر داخل ہوتے دیکھا تو انہوں نے خیال کیا کہ شاید حکومت یا انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ نے ہمیں ان سے تفتیش کرنے یا ان سے معلومات حاصل کرنے کیلئے بھیجا ہے جس وجہ سے وہ کافی گھبرا گئے۔ لیکن بعد میں جب ان قیدیوں کو معلوم ہوا کہ ہم احمدی ہیں اور ہمارے خلاف کیس کی تفصیلات کا انہیں علم ہوا تو ان میں سے بعض نے ہمارے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کیا اور ان میں سے بعض جو کہ لشکر طیبہ سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے سوچنا شروع کیا کہ ان چار احمدیوں کے خلاف کیا کیا جائے۔

جیل کی جس بیرک میں ہمیں بھیجا گیا تھا وہ میرا خیال ہے کہ صرف چالیس افراد کیلئے تھی لیکن اس میں 200 کے قریب افراد رکھے گئے تھے۔ لہٰذا وہاں بیٹھنے کیلئے بھی جگہ تلاش کرنا مشکل تھا۔ ایک شخص نے ہمیں اپنی دری دی کہ آپ یہاں بیٹھ جائیں۔ ہم کچھ دیر وہاں بیٹھے اور دوپہر کا کھانا وہیں کھایا۔ شام کو ہمیں احساس ہوگیا کہ ہمیں رات یہیں گزارنی پڑے گی۔ وہاں سونا ویسے ہی محال تھا چنانچہ ہم نے آپس میں مشورہ کیا اور صدر عمومی کرنل ایاز محمود خان صاحب نے کہا کہ مجھے جیلر سے بات کرنے دیں کہ ہم انکے ساتھ نہیں ٹھہر سکتے کیونکہ ہمیں محسوس ہو رہا ہے کہ وہ لوگ منصوبہ بندی کر چکے ہیں کہ رات کو ہمیں نقصان پہنچائیں گے۔ وہ اس حد تک بھی جاسکتے تھے کہ ہمیں جان سے ہی مار دیں۔

پاکستانی جیلوں میں اگرچہ اسلحہ وغیرہ لے جانے کی اجازت نہیں ہوتی لیکن ہمیں وہاں جا کر معلوم ہوا کہ جیل کے اندر کس طرح چاقو بنائے جاسکتے ہیں اور چمچ کے دستے کو رگڑ کر تیز دھار والے چاقو کی شکل دیدی جاتی ہے۔ شام چھ بجے کے قریب سپرنٹنڈنٹ جیل اس بات کو سمجھ گیا کہ اگر رات کو انہیں یہاں رکھا گیا تو نیا مسئلہ پیدا ہوسکتا ہے۔ انہوں نے یہ انتظام کیا کہ ہم اِسی بیرک میں رہیں لیکن دوسرے لوگوں کو وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ منتقل کر دیا جائے۔ اس بات پر دوسرے لوگ ہم سے بہت ناراض ہوئے۔ وہ جھنگ کے مضافات اور ضلع کی مختلف جگہوں سے تعلق رکھنے والے دیہاتی لوگ تھے۔ سب کے سب ان پڑھ اور جرائم پیشہ لوگ تھے۔ ہم نے چند گھنٹے ان جرائم پیشہ لوگوں میں گزارے۔ ان میں سے بعض نے بتایا کہ اس نے تین قتل کئے ہوئے ہیں اور بعض نے بتایا کہ اس نے اپنی بہن کا قتل کیا تھا اور بعض ان میں سے ڈکیتی اور دیگر جرائم میں ملوث تھے۔

بہر حال یہ ان لوگوں کے درمیان گزارے ہوئے چند گھنٹے ایک اچھا تجربہ تھا۔ اس دوران ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ کس طرح چاقو تیار کرتے ہیں اور کس طرح جیل میں لڑائیاں کرتے ہیں۔ ہم نے اخبارات میں ایک دفعہ یہ خبر پڑھی کہ جیل کے اندر دو گروپوں کے درمیان ہونے والی لڑائی میں دو پارٹیوں کے کئی افراد قتل کردیئے گئے۔ اس وقت یہ سمجھنا مشکل تھا کہ جیل کے اندر ایسا کرنا کس طرح ممکن ہے مگر اب وہاں جانے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ یہ کس طرح ہوتا ہے اور کس طرح وہاں تیز دھار چاقو تیار کئے جاتے ہیں۔

ہم نے ایک رات وہاں گزاری۔ اگلے دن انہوں نے ہمیں پانی اور صاف ستھری ٹائیلٹ کی سہولت فراہم کردی۔ اگرچہ وہ ویسی نہیں تھی جیسی آپ یہاں دیکھتے ہیں مگر اُس سے بہر حال بہتر حالت میں تھی جیسی با لعموم پاکستان کی جیلوں میں ہوتی ہیں۔ ہم نے کچھ راتیں تقریباً دس دن وہاں گزارے۔ جماعت کے لوگوں کو اس بارہ میں تشویش اور فکرمندی تھی۔ سات آٹھ دنوں کے بعد میں جان لیا کہ یہ کیس لمبا چلے گا۔ 295-C ایسی دفعہ تھی کہ اگر اس کی ضمانت کروا بھی لی جاتی تو کوئی اور دفعہ لگا کر کیس بنا دیا جاتا یعنی اگر یہ دفعہ ہٹا بھی دی جاتی تو کوئی اور دفعہ لگا دی جاتی۔ غیر احمدی ملاں کو پورا یقین تھا کہ اس دفعہ اِس شخص کو یونہی نہیں جانے دیا جائے گا۔ چنانچہ سات آٹھ دنوں کے بعد میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو لکھ دیا کہ میرا خیال ہے کہ اس کیس کو کچھ وقت لگے گا۔ اس لئے مناسب ہے کہ کسی اور کو ناظر اعلیٰ مقرر کردیا جائے تا کہ وہ انجمن کے معاملات کو بغیر کسی رکاوٹ کے چلاتا رہے۔ حضورؒ نے جواب بھجوایا کہ ناظر اعلیٰ آپ ہی رہیں گے۔ یہاں میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ جیل کے افسران نے ہمارے ساتھ فراخ دلانہ سلوک روا رکھا اور مجھے اس بات کی اجازت دے دی کہ میں چیک وغیرہ سائن کرسکوں۔ دیگر ذمہ داریاں قائم مقام ناظر اعلیٰ جن کو میں نے مقرر کیا تھا ادا کرتے رہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی طرف سے یہ جواب ملنے کے بعد میں سمجھ گیا کہ اللہ کے فضل سے اب یہ کیس لمبا نہیں چلے گا اور اسکا فیصلہ جلد ہوجائے گا۔ جیل میں بعض ساتھیوں نے کچھ خوابیں بھی دیکھی تھیں جن کی میں نے یہ تعبیر کی کہ ہم جلد قید سے رہا کردیئے جائیں گے۔ گیارہ دن کے بعد ہم میں سے دو کو رہا کردیا گیا۔ باقی دو کو بھی اگلے دن چھوڑ دیا گیا۔ کیس تیار کرنے والے مجسٹریٹ نے اس کیس کو اس طرح تیار کیا کہ اس میں جرم کی شدت کو خوب اچھی طرح بیان کیا گیا تھا۔ اور آپ کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ وہ مجسٹریٹ میرا دوست تھا یا کم از کم میرا دوست ہونے کا اظہار کرتا تھا۔ میں اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ اسے یہ اندازا نہیں تھا کہ کیس کی سنگینی اس حد تک پہنچ جائے گی۔ چنانچہ جب اس نے ہمیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے دیکھا تو اس نے ایک اور رپورٹ تیار کی کہ اسے کچھ اور شواہد اور اشارے ملے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مجرم نہیں ہیں۔ لیکن حکام ملاں سے اس قدر خوفزدہ تھے کہ انہوں نے مولویوں کو پتہ نہیں لگنے دیا کہ وہ اس کیس کو ختم کرنے جارہے ہیں اور انہوں نے ایسا کردیا۔ ملاں یہی سمجھتا رہا کہ ہمارے خلاف کیس چل رہا ہے۔

تو یہ ہے ان سارے واقعات کا مختصر تذکرہ۔ میرے جیل کے ایک ساتھی نے ان دنوں کی مکمل رپورٹ لکھی تھی کہ جیل میں ہمارے شب و روز کس طرح گزرتے رہے۔ اسکی ایک کاپی یہاں بھی ہے جو پرائیویٹ سیکریٹری صاحب کو دی گئی تھی۔ یہ بھی ایک دلچسپ روئداد ہے۔

صدر صاحب: ان دنوں قائم مقام ناظر اعلیٰ کون تھے؟

حضور: مرزا خورشید احمد صاحب تھے۔

ندیم الرحمن: مجلس انصاراللہ میں ذمہ داریوں کے متعلق حضور ہمیں کچھ بتائیں گے؟

حضور: پہلے تو میں قائد وقف جدید رہا پھر قائد تعلیم القرآن۔ مگر آپ کا تعلق تو خدام الاحمدیہ سے ہے آپ انصاراللہ کے متعلق کیوں دریافت کررہے ہیں؟

ٹومی: کیا میں حضور سے افریقہ میں گزارے ہوئے دنوں کے متعلق کچھ پوچھ سکتا ہوں یعنی یہ کہ حضور وہاں کن چیزوں سے لطف اندوز ہوتے رہے اور یہ کہ حضور افریقن لوگوں کے بارہ میں کیا رائے رکھتے ہیں؟

حضور: میں نے وہاں اپنے قیام کو کافی Enjoy کیا۔ جب میں وہاں گیا تھا اس وقت مجھے پتہ نہیں تھا کہ میں ایک ایسی جگہ جارہا ہوں جہاں بجلی، گیس اور پانی نہیں ہے۔ سکول کے پرنسپل مجھے کماسی سے اپنے ساتھ سلاگا لے گئے۔ جو غانا کے شمالی علاقہ میں ایک دور دراز قصبہ ہے۔ یہاں ہماری رہائش ایک بہت چھوٹے سے مکان میں تھی۔ دو کمرے تھے اور سامنے تین چار فٹ کا برآمدہ تھا۔ اور ایک طرف کچن اور ٹائلٹ باتھ تھا۔ وہاں ایک کمرے میں میں رہتا تھا اور ایک کمرے میں وہ اپنی فیملی کے ساتھ رہتے تھے۔ اس طرح رہنا بہت مشکل تھا اور آپ کو پتہ ہے کہ ایک احمدی کیلئے کتنی مشکل ہوسکتی ہے جہاں ساتھ ہی ایک فیملی بھی رہتی ہو۔ ٹائلٹ جانا ہو یا کسی اور جگہ جانا ہو اس کیلئے پہلے اعلان کرنا پڑتا تھا کہ میں باہر آرہا ہوں یا فلاں جگہ جانا چاہتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ یعنی اپنی ہر حرکت کے بارہ میں پہلے سے آگاہ کرنا پڑتا تھا کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں۔ میں چند ماہ انکے ساتھ وہاں قیام پذیر رہا۔ پھر میں نے الگ گھر میں رہائش رکھ لی۔ ایک سال تک اپنی فیملی کے بغیر اکیلا رہا۔ سلاگا سے ستر میل کے فاصلے پر ایک بڑا شہر ٹمالے تھا۔ اُن دنوں ہم سکول کیلئے ایک نئے بلاک کی تعمیر کررہے تھے اور عمارتی سامان خریدنے ہم ٹمالے جایا کرتے تھے بلکہ گھر کی اشیاء اور کھانے پینے کی چیزیں خریدنے کیلئے بھی ہم وہاں جاتے تھے۔ ستر میل دور واقع ٹمالے جانے کیلئے ٹرانسپورٹ کی کوئی اچھی سہولت موجود نہیں تھی گورنمنٹ کی صرف ایک بس تھی جو ٹمالے جایا کرتی تھی۔ ایک صبح کے وقت جاتی اور دوسری شام کو جایا کرتی تھی۔ ہم اس سفر سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ پتہ نہیں ہوتا تھا کہ کب بس خراب ہوجائے گی۔ سب سے پہلے میں نے ٹمالے میں رہنے والے مبلغین سے ہی چپاتی بنانا سیکھی تھی۔ عام طور پر میں ناشتہ بریڈ اور انڈے سے کرتا تھا۔ دوپہر کا کھانا نہیں ہوتا تھا۔ قریباً چار بجے سکول بند ہونے کے بعد میں شام کا کھانا تیار کرتا تھا۔ یام یا اسی قسم کے کسی سالن کے ساتھ کچھ چپاتیاں بناتا تھا۔ شروع کے ان دنوں میں میرا 25 پاؤنڈ وزن کم ہوگیا تھا جو کچھ دیر بعد ٹھیک ہوگیا تھا۔ تو یہ ایک Adventure تھا جسے میں نے Enjoy کیا۔

ان دنوں ایک اور ایڈونچر بھی ہوا۔ جیسے میں نے ذکر کیا ہے کہ صرف ایک ہی بس ہوا کرتی تھی جو ٹمالے اور سلاگا کے درمیان چلتی تھی بلکہ سلاگا سے سولہ سترہ میل آگے جہاں سڑک ختم ہوجاتی تھی وہاں تک یہ بس جاتی تھی۔ یہاں سے ولٹا ریجن شروع ہوتا ہے۔ ایک دفعہ میں اور ہمارے مبلغ رزاق بٹ صاحب ٹمالے جارہے تھے۔ رزاق صاحب آتے رہتے تھے اور دو دن میرے ساتھ ٹھہرا کرتے تھے اور بچوں کو اسلامیات پڑھایا کرتے تھے۔ بہر حال یہ بس جب Lake سے ٹمالے کیلئے روانہ ہوکر سلاگا پہنچتی تو اس میں کھڑے ہونے کی جگہ بھی نہیں ملتی تھی۔ اس لئے ہم ایسے کرتے تھے کہ ٹمالے سے آنے والی بس جب سلاگا پہنچتی تو اسمیں سوار ہوکر 17 میل کے فاصلے پر بس کے آخری سٹاپ تک جاتے جہاں سے بس میں بیٹھنے کی جگہ مل جاتی تھی کیونکہ وہاں بس خالی ہوجایا کرتی تھی اور آرام سے بیٹھنے کی جگہ مل جاتی تھی۔ لیکن اس طرح ہمیں بس میں سیٹ حاصل کرنے کیلئے مجموعی طور پر 34 میل کا زائد سفر کرنا پڑتا تھا۔

ایک دن یوں ہوا کہ بس کا جہاں آخری سٹاپ تھا وہاں جاکر بس خراب ہوگئی۔ یہ شام کا وقت تھا۔ اس وقت میں عمارتی سامان خریدنے جارہا تھا۔ سکول کی تعمیر کے سلسلہ میں وہاں سارے کام ہمیں خود ہی کرنے پڑتے تھے۔ بلڈر بھی ہم ہی تھے اور کنٹریکٹر بھی ہم خود تھے۔ سب کچھ ہم ہی ہوا کرتے تھے۔ لہٰذا میرے بریف کیس میں کافی بڑی رقم موجود تھی اور رات ہورہی تھی اس لئے ڈر تھا اپنی ذات کیلئے نہیں بلکہ یہ خوف تھا کہ کہیں کوئی یہ بریف کیس چھین کر نہ بھاگ جائے۔

آٹھ، نو اور پھر رات کے دس بج گئے لیکن بس کی مرمت کا کام مکمل نہ ہوسکا۔ آخر انہوں نے اعلان کیا کہ انہوں نے ایک ٹرک ڈرائیور کے ذریعہ جو کہ ٹمالے جارہا تھا وہاں پیغام بھجوایا ہے اس لئے جلد ہی دوسری بس آجائیگی۔ یہ جلد ہی آٹھ گھنٹے طویل تھا۔ چنانچہ ساری رات ہمیں وہاں گزارنی پڑی۔ مجھے ایک بینچ نظر آیا جس پر میں بیٹھ گیا اور بریف کیس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا۔ اگر کوئی شخص بریف کیس چھیننے کی کوشش کرے تو اگر میں سو جاؤں تو جھٹکے سے میری آنکھ کھل جائے۔ میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آدھی رات آپ سولیں اور آدھی رات میں سولوں گا تا کہ ہم بریف کیس کی حفاظت کرسکیں۔ اگلی صبح 4 بجے کے قریب بس آگئی اور اس طرح ہم ٹمالے پہنچے۔

ایک دفعہ سفر کے دوران راستہ میں ہی یہ بس خراب ہوگئی۔ ہمیں کوئی متبادل ذریعہ سفر نہ مل سکا تو ہم نے سامان سے لدے ہوئے ایک ٹرک پر بیٹھ کر 70 میل کا فاصلہ طے کیا۔ اس طرح کے کئی مواقع ملے جنہیں میں نے Enjoy کیا۔

جب ہم وہاں زرعی فارم چلا رہے تھے تو میں کئی دنوں تک روزانہ اپنی رہائش سے فارم تک قریباً 35 میل کا فاصلہ ٹریکٹر پر طے کیا کرتا تھا۔ کبھی میں خود ٹریکٹر چلا کر جایا کرتا تھا اور کبھی ٹریکٹر کے مڈگارڈ پر بیٹھ کر جاتا تھا۔ جتنی دیر وہاں پہنچنے میں لگتی تھی اس وقت تک آدمی اتنا تھک چکا ہوتا تھا کہ وہاں پہنچ کر کام کرنا مشکل ہوجاتا تھا۔ پھر میں نے رات وہاں فارم پر گزارنی شروع کردی۔ وہاں رہائش کیلئے کوئی مکان تو بنا ہوا نہیں تھا بلکہ ایک کمرہ بھی نہیں تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا ہم وہاں کے مقامی لوگوں کے ساتھ رات کو قیام کرتے تھے۔ جھونپڑی نما کمرے ہوا کرتے تھے (ٹومی کی طرف دیکھتے ہوئے) تمہیں تو پتہ ہی ہوگا۔ کیا تمہیں کبھی گاؤں میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے؟

وہ اپنے جھونپڑی نما گھر کے فرش پر دری بچھا دیتے ہیں اور اسی پر سویا جاتا ہے۔ مجھے نہیں پتہ کہ تمہیں اس قسم کا تجربہ ہے یا نہیں مگر مجھے اس کا خوب تجربہ ہے۔

ٹومی: مجھے فرش پر سونے کا اتفاق تو نہیں ہوا لیکن باقی سب تجربات سے گزرا ہوں۔

حضور: میں نے تو کئی راتیں جنگل میں بھی گزاری ہیں۔ رات کو جب آنکھ کھلتی تو میں اپنے ارد گرد نظر دوڑا کر دیکھتا تھا کہ کہیں کوئی بچھو یا سانپ تو نہیں ہے کیونکہ اس علاقہ میں بہت سے سانپ اور بچھو

پائے جاتے تھے۔

ٹومی: حضور کیا آپ ہمیں افریقہ میں گندم کی کاشت کے اپنے کامیاب تجربہ کے متعلق کچھ بتائیں گے؟

حضور: زرعی ماہرین کی رائے تھی کہ وہاں غانا میں گندم نہیں اگائی جاسکتی۔ آپ جانتے ہیں کہ وہاں ہماٹان سیزن ہوتا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ ہماٹان کے دوران درجہ حرارت گر جاتا ہے اس لئے گندم اگائی جاسکتی ہے۔ مگر کس طرح؟ کیونکہ وہاں پانی نہیں تھا۔ اس لئے میں نے تجویز کیا کہ غانا میں ایک بڑا دریا ہے جسے وولٹا دریا کہتے ہیں، ایک سفید وولٹا کہلاتا ہے اور دوسرے کو سرخ وولٹا کہتے ہیں۔ یہ دریا برکینا فاسو سے آتے اور غانا میں سے گزرتے ہوئے سمندر میں گرتے ہیں۔ میری رائے تھی کہ اگر ہمیں پانی یا آبپاشی کی سہولتیں مل جائیں تو وہاں گندم کاشت کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ میرے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ نائیجیریا کے جس علاقہ میں آبپاشی کی سہولت موجود ہے وہاں گندم کاشت کی جارہی ہے۔ خوش قسمتی سے ہمیں ایک پانی کا پمپ اور چھڑکاؤ کرنے والے آلات بھی میسر آگئے۔ اگرچہ اسکے ذریعے صرف ایک مختصر سی جگہ کو پانی دیا جاسکتا تھا جس کا رقبہ چند ایکڑ کے قریب تھا لیکن یہ کم از کم میرے تجربہ کے لئے کافی تھا۔ چنانچہ میں نے نائیجیریا سے اپنے ایک دوست کو گندم کے بیج بھجوانے کو کہا اور اس طرح گندم کی کاشت کا تجربہ شروع کردیا۔ گندم اگانے کا یہ تجربہ خاصا کامیاب رہا۔ ہم فصل کو sprinklers کے ذریعہ پانی دیا کرتے تھے۔ یہ پانی دریائے وولٹا سے آتا تھا اور اگرچہ میں نے اعداد و شمار کے ذریعہ تو نہیں دیکھا کہ صنعتی طور پر آیا یہ کاشت کاری قابل عمل ہے کہ نہیں۔ مگر تجربہ کی حد تک یہ ایک نمایاں کامیابی تھی اور اب تک امیر صاحب غانا مکرم وہاب آدم صاحب نے وہاں کاشت کی جانے والی گندم کا نمونہ ایک جار میں ڈالکر جماعت غانا کے Exhibition hall میں رکھا ہوا ہے اور کچھ گندم کی مقدار دوبارہ کاشت کیلئے بھی رکھی ہوئی ہے جو ابھی تک بہت اچھے طور پر محفوظ ہے۔ میں نے اس کام پر دو سال صرف کئے تھے مگر بعد میں آبپاشی کی سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے اسے جاری نہیں رکھا جاسکا۔

طارق بی ٹی: حضور خلافت خامسہ کا جب انتخاب ہوا اور خلیفۃ المسیح کیلئے حضور کا جب نام پیش ہوا تو اس وقت حضور کی Feelings کیا تھیں؟

حضور: جب میرے نام کا اعلان ہوا تو میرا تأثر یہ تھا اور میں یہ دعا کررہا تھا کہ حاضرین میں سے کوئی میرے لئے نہ کھڑا ہو۔ بلکہ پہلی دفعہ جب گنتی میں کوئی غلطی لگی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو جو ہاتھ کھڑے تھے مجھے یہی لگ رہا تھا کہ بہت تھوڑے سے ہاتھ ہیں۔ تو میں نے کہا شکر ہے، چند ایک ہی ہاتھ کھڑے ہوئے ہیں کوئی اور نامزد ہوجائے گا۔ چونکہ پہلی دفعہ گنتی میں غلطی ہوگئی تھی اس لئے دوسری دفعہ پھر انہوں نے ہاتھ کھڑے کروائے تو میں نے دیکھا تو کہا کہ ہیں تو کافی لیکن ابھی بھی کافی ہاتھ باقی ہیں جو کسی اور کے حق میں کھڑے ہونگے۔ لیکن جب انہوں نے فائنل Announcement کی تو میں پوری طرح کانپ اٹھا۔ بلکہ میں نے اسی مجلس میں کہیں یہ کہا ہوا ہے کہ اب تو کوئی جائے مفر نہیں اور Excuse نہیں کرسکتے، اس سے دوڑ نہیں سکتے۔ قواعد اجازت نہیں دیتے نہیں تو میں شاید اس کو چھوڑ دیتا۔

تأثرات کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟ آپ کا خیال ہے کہ مجھے اس کی کوئی امید تھی؟

طارق بی ٹی: نہیں حضور اس طرف تو نہیں، مگر وہاں پہلے آپ کا نام پیش ہوا اور پھر انتخاب ہوا۔

حضور: یہی تو میں بتا رہا ہوں، میرا تو نام جب صدر خدام الاحمدیہ کیلئے پیش ہوتا رہا، دو دفعہ پیش ہوا، میں تو وہاں بھی دعا کرتا رہا ہوں کہ نہ بنوں۔

طارق بی ٹی: انتخاب خلافت سے پہلے کے چند دنوں میں حضور کی ترجیحات کیا تھیں؟

حضور: ترجیحات یہی تھیں کہ بطور ناظر اعلیٰ ساری انتظامی ذمہ داریاں میرے سپرد تھیں، جماعت کے سارے معاملات چلانے کا ایک بوجھ تھا۔ انجمن کے ممبران کی یہاں بار بار میٹنگز ہوتی تھیں کہ کیا کیا طریق کار اختیار کرنا ہے، کس طرح ہوگا؟ کیا ہوگا؟ پھر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی تدفین کا معاملہ تھا، وہ کہاں ہوگی؟ کیا کرنا ہے؟ یہ سارے مسائل تھے۔ پھر جنازہ کب ہوگا؟ انتخاب کب ہوگا؟ یہ سارے مسائل طے کرنے تھے۔ مجھے ان کی وفات کی اطلاع پاکستانی وقت کے مطابق دوپہر دو بجے ملی تھی اور خوش قسمتی سے ہمیں اسی رات سیٹ مل گئی۔ تو میں اگلے دن یہاں کے مقامی وقت کے مطابق دوپہر دو بجے یہاں پہنچ گیا تھا۔

ٹومی: حضور خلیفہ منتخب ہونے کے بعد عملی طور پر حضور کی زندگی میں کیا تبدیلی آئی؟

حضور: میری زندگی کا معمول بالکل مختلف ہوا کرتا تھا۔ میں عملی طور پر ایک ایسا آدمی تھا جس کیلئے دفتر میں مسلسل دو گھنٹے بیٹھنا بھی مشکل تھا۔ تقریباً ہر دو گھنٹے بعد دفتر سے اٹھ کر راؤنڈ لگاتا اور مختلف دفاتر کو Visit کیا کرتا تھا۔ پھر واپس آکر دفتر بیٹھتا تھا۔ یہاں تک کہ ناظر اعلیٰ کی ذمہ داری ملنے کے بعد بھی میرا یہی دستور رہا، یہ ایک انتظامی عہدہ تھا۔ چنانچہ دفتر میں چھ سات گھنٹے گزارنے کے بعد میں اپنے فارم پر چلا جاتا تھا اور کچھ وقت وہاں گزارتا، اس دوران وہاں ایسے کام کیا کرتا تھا جس میں ذہنی بوجھ نہ ہو بلکہ اپنے ہاتھ سے مشقت والا کام ہوتا تھا۔ بہر حال کہا جاسکتا ہے کہ خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد میرے معمولات میں ایک U-turn آگیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ مجھ سے کیسے ہوگیا؟ یہ اللہ ہی تھا جو تمام کاموں کا کرنے والا تھا۔ پہلی ہی رات میرے اندر ایک مکمل تبدیلی واقع ہوگئی تھی۔ میں صبح سے شام تک اور پھر رات گئے تک دفتر میں بیٹھ کر کام کرتا رہا۔ مجھے تقریر وغیرہ کرنے کا بالکل تجربہ نہیں تھا مگر خدا نے ان میں میری راہنمائی کی۔

ندیم الرحمن: صبح سے شام تک بالعموم حضور کی مصروفیات کیا ہوتی ہیں؟

حضور: میں آپ لوگوں کو اپنے جاگنے کا صحیح وقت تو نہیں بتاسکتا لیکن میں بہت صبح اٹھتا ہوں۔ نوافل ادا کرنے کے بعد قرآن کریم کے چند رکوع کی تلاوت کرتا ہوں۔ اسکے بعد فجر کی نماز کی تیاری کرتا ہوں۔ آجکل جو میرا معمول ہے اس کے مطابق بتاتا ہوں کہ نماز فجر کے بعد سیر کیلئے جاتا ہوں۔ سیر سے واپس آکر نہاتا ہوں۔ پھر ناشتہ کرتا ہوں۔ اسکے بعد پھر قرآن کریم کی کچھ تلاوت کرتا ہوں اور آیات قرآنی پر غور و فکر کرتا ہوں۔ پھر چند منٹ استراحت کے بعد اپنے دفتر میں آجاتا ہوں جہاں میرے کاموں کا آغاز ہوتا ہے۔ دن کے دوران مختلف دفتری امور کے علاوہ جماعتی عہدہ داروں کے ساتھ میٹنگز اور دفتری ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ پھر نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد میں دوپہر کا کھانا کھاتا ہوں۔ اسکے بعد چند منٹ قیلولہ کرتا ہوں۔ میں اسے نیند ہی شمار کرتا ہوں کیونکہ اس دوران پچیس سے تیس منٹ تک سوتا ہوں۔ پھر میں دوبارہ اپنے آفس میں آجاتا ہوں۔ اور آج آپ لوگ میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ پھر مغرب کی نماز سے ذرا پہلے میں چائے کیلئے اوپر گھر جاتا ہوں۔ پھر مغرب کی نماز کیلئے جاتا ہوں اور واپس اپنے دفتر میں آکر سنتیں ادا کرتا ہوں۔ جس کے بعد یہاں دفتر میں ہی بیٹھ کر دنیا بھر کے مختلف ممالک سے آنے والی ڈاک دیکھتا ہوں۔ جس میں دفتری ڈاک جو کہ مختلف ممالک کے امراء کی طرف سے، صدر انجمن احمدیہ پاکستان، تحریک جدید پاکستان اور قادیان وغیرہ سے آنے والی ڈاک ہوتی ہے۔ اگر یہ ڈاک بہت زیادہ نہ ہو تو میں اس کام کو ایک گھنٹہ میں نمٹا لیتا ہوں جس میں مختلف شعبہ جات کیلئے ان سے متعلقہ ہدایات ہوتی ہیں۔ پھر عام ملاقاتوں کا سلسلہ قریباً ایک گھنٹہ تک جاری رہتا ہے جس کے بعد میں رات کے کھانے کیلئے اوپر گھر جاتا ہوں۔ پھر اس کے بعد عشاء کی نماز کیلئے جاتا ہوں۔ نماز عشاء کے بعد اگر اوپر گھر میں کوئی ملنے والا ہو تو کچھ منٹ ان کے ساتھ بیٹھنے کے بعد واپس اپنے دفتر میں آجاتا ہوں اور دوبارہ ڈاک دیکھتا ہوں۔ جس میں خطوط، فیکسز، اور E-mails شامل ہوتی ہیں جو مختلف جماعتی عہدہ داران اور افراد جماعت کی طرف سے ہوتی ہیں۔ یہ سلسلہ رات گیارہ بجے تک جاری رہتا ہے اسکے بعد اخبارات، جماعتی رسائل، یا کسی کتاب کا مطالعہ کرتا ہوں جس کے بعد سونے کیلئے چلا جاتا ہوں اور چند گھنٹے سوتا ہوں۔

ٹومی: اور پھر آپ دوبارہ اُٹھ جاتے ہیں۔

حضور: پھر علی الصبح یہی سلسلہ دوبارہ شروع ہوجاتا ہے۔

ٹومی: حضور اپنے جماعتی دورہ جات کے متعلق بتائیں کہ حضور کی پسندیدہ جگہ کونسی ہے اور اس پسندیدگی کی وجہ کیا ہے؟

حضور: میرا خیال ہے کہ مجھے یہ سوچنے کا وقت ہی نہیں ملا کہ میری پسندیدہ جگہ کونسی ہے۔ جہاں بھی جاتا ہوں احمدی احباب میرے ارد گرد ہوتے ہیں اور وہی میری پسندیدہ جگہ ہوتی ہے۔ مگر مجھے افریقہ بہت پسند ہے خاص طور پر غانا جہاں میں نے کچھ عرصہ گزارا اور غانا کی پسندیدگی کی ایک وجہ یہ ہے کہ میری ابتدائی اور عملی زندگی کا آغاز غانا ہی سے ہوا تھا۔ مجھے سیرالیون جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ آپ کا تعلق تو سیرالیون سے ہے؟

ٹومی: جی حضور میرا تعلق سیرالیون سے ہے۔

حضور: مجھے اب تک جن افریقن ملکوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے ان میں سے میں غانا کو دیگر ملکوں کی نسبت زیادہ Civilised خیال کرتا ہوں۔ اگلے سال جب میں سیرالیون جاؤنگا تو پھر دیکھوں گا کہ سیرالیون کیسا ہے۔

ٹومی: انشاء اللہ! اور وہاں حضور کا زبردست استقبال ہوگا۔

حضور: استقبال کی بات نہیں بلکہ وہاں کے لوگوں کا رویہ اصل چیز ہوتی ہے۔

ٹومی: حضور نے قادیان سے واپس آنے کے بعد فرمایا تھا کہ قادیان کے متعلق تأثرات کو بیان کرنا مشکل ہے۔ کوئی ایسا واقعہ ہے جس کی یاد اب بھی تازہ ہو؟

حضور: جب آپ بہشتی مقبرہ میں داخل ہوتے ہیں خصوصاً وہ احاطہ جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مزار ہے، اس وقت کے جذبات کو بیان کرنا ممکن نہیں۔ جذبات ابل رہے ہوتے ہیں۔ جب آپ دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو اس وقت اپنے پر قابو نہیں رہتا اور پھر جب آپ ان گلی کوچوں کو دیکھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ انہیں گلیوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مبارک قدم پڑے تھے۔ میرا خیال ہے کہ قادیان میں جانے والے ہر فرد کے ایسے ہی جذبات اور احساسات ہوتے ہیں۔ اور مکہ اور مدینہ جانے والوں کے جذبات اور احساسات اس سے بھی بڑھ کر ہونگے۔

طارق بی ٹی: حضور نے افریقہ کے بارہ میں بتایا۔ یو کے میں بھی حضور کو پانچ سال ہوگئے ہیں۔ یو کے سے تعلق رکھنے والی کوئی خاص بات جو حضور کو پسند ہو۔

حضور: آپ کا سوال یو کے جماعت کے بارہ میں ہے یا ملک مراد ہے؟

طارق بی ٹی: دونوں ہی حضور۔ بالخصوص ملک انگلستان، یہاں کے لوگ، یہاں کا ماحول اور آب و ہوا وغیرہ۔

حضور: جہاں تک انگلستان کے لوگوں کا تعلق ہے تو وہ لوگ جن سے میں ملا ہوں، میرے اندازے کے مطابق وہ جماعت کیلئے بہت احترام کے جذبات

رکھتے ہیں۔ میں جب باہر سیر کیلئے نکلتا ہوں تو کچھ بڑی عمر کے برٹش لوگ Good morning کہتے ہیں اور دوستانہ جذبات کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جہاں تک ملک کا تعلق ہے تو مجھے Lake District اور سکاٹ لینڈ کا علاقہ اچھا لگا ہے۔

ندیم الرحمن: حضور ہمارے نوجوانوں کیلئے کن شعبوں کی طرف جانا زیادہ مناسب ہوگا؟

حضور: میرا خیال ہے میں پہلے ہی نوجوان طلباء کے ساتھ اسکے متعلق بات کر چکا ہوں۔ میں نے طلباء کو ریسرچ کے میدان میں جانے کیلئے کہا ہے کیونکہ یہاں اس ملک میں بالخصوص اور مغربی ملکوں میں ریسرچ کی فیلڈ کا مستقبل روشن ہے۔ ایشیائی اور افریقن لوگوں کو اپنے آپ کو ریسرچ سے وابستہ کرنا چاہئے بالخصوص چاروں سائنسز یعنی فزکس، کیمسٹری وغیرہ اور میڈیسن اور کمپیوٹر سائنس کے مضامین سے۔ کیونکہ چند سال قبل شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق برطانیہ کے مقامی لوگ ریسرچ کے شعبہ میں زیادہ دلچسپی کا اظہار نہیں کر رہے۔ جبکہ مغربی ملکوں کے مقابل پر اس ملک کی بقا کیلئے ریسرچ کے شعبہ میں ترقی کرنا نہایت ضروری ہے۔ اسی طرح ایشیائی لوگوں کی بقا بھی اسی میں ہے کہ وہ مقامی لوگوں کی ضرورت بن جائیں کیونکہ اگر انہیں آپ کی ضرورت نہ ہو تو جہاں تک میں نے محسوس کیا ہے ان کے دلوں میں آپ کیلئے نفرت کے مخفی جذبات پائے جاتے ہیں۔ اگر آپ تعلیم یافتہ نہیں اور ان کیلئے کارآمد نہیں ہیں تو یہ آپ کو پسند نہیں کرینگے۔ خاص طور پر پچھلے چند سالوں میں رونما ہونے والے واقعات کی وجہ سے بھی یہ لوگ پہلے کی نسبت اب زیادہ حساس ہوگئے ہیں۔ اس لئے اب مسلمانوں کو تو خاص طور پر خود کو ریسرچ سے منسلک کرنا چاہئے۔

طارق بی ٹی: جماعت کو جن مسائل اور چیلنجز کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اُن میں سے سب سے بڑا اور کلیدی چیلنج کونسا ہے جو اس وقت جماعت کو درپیش ہے؟

حضور: حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کا مقصد یہ تھا کہ بندے کو خدا تعالیٰ کے قریب تر لایا جائے۔ اور یہ چیلنج نہ صرف اس وقت سب سے بڑا چیلنج ہے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کے وقت جبکہ جماعت کی بنیاد رکھی گئی تھی اس وقت بھی یہی سب سے بڑا چیلنج تھا اور قیامت تک یہی سب سے بڑا چیلنج رہے گا۔ اس مقصد کے حصول کیلئے ہمیں روحانی ترقی کے ذریعہ قرب الٰہی کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے۔ جس کیلئے ہمیں قرآن کریم کا مطالعہ اور قرآن کریم کی حقیقی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔ ہمیں چاہئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے مطالعہ اور آپ کی عطا کردہ راہنمائی کے ذریعہ اپنے روحانی معیار کو بلند کریں، اپنی ذہنی استعدادوں کو صیقل کریں، اپنے آپ کو اسلام کی حقیقی تعلیم سے منور کریں۔ اسی طرح ہمیں چاہئے کہ اپنے عہد بیعت پر مضبوطی سے قائم رہیں، خلفاء کی طرف سے دی جانے والی ہدایات پر عمل پیرا ہوں اور آئندہ بھی خلفاء جو نصائح کریں ان پر مضبوطی سے کاربند ہوں۔

ندیم الرحمن: ایسے ممبران جن کے پاس جماعتی کاموں کیلئے وقت نہیں ہوتا انہیں کس طرح فعال بنایا جاسکتا ہے؟

حضور: سب سے پہلے تو انہیں یہ احساس دلانا اور بتانا ہوگا کہ وہ کون ہیں۔ جب ایک دفعہ انہیں یہ احساس ہوجائے گا کہ وہ احمدی ہیں اور یہ کہ احمدی ہونے کا مقصد کیا ہے تو آپ انہیں فعال بنا سکیں گے۔ ان پر سختی کرنے سے یا صرف انہیں حکم دینے سے یا ان کے خلاف ایکشن لینے سے انہیں فعال نہیں بنایا جاسکتا۔ انہیں اپنا دوست بنائیں جیسا کہ میں پہلے بھی کئی مواقع پر یہ بات کہہ چکا ہوں کہ خدام الاحمدیہ میں ایک ایسی ٹیم ہونی چاہئے جو اپنے ایمان میں نہایت پختہ ہو اور کوئی بات یا کوئی الٹی سیدھی دلیل ان کے اعتقاد کو متزلزل نہ کرسکے۔ کوئی بحث یا کوئی دلیل جو احمدیت، اسلام، مذہب یا خدا کے خلاف ہو انہیں اپنے ایمان سے ہٹا نہ سکے۔ اس ٹیم کے ممبران خشک ملاں کی طرح نہیں ہونے چاہئیں تا کہ وہ ایسے افراد کے ساتھ دوستی کرسکیں اور انہیں اپنے قریب لاسکیں۔ یہ ایک طویل پروگرام ہے اور ایک مسلسل جدوجہد ہے اور دنیا کے اختتام تک مسلسل یہی طریق عمل رہے گا۔ کیونکہ قرآن مجید کہتا ہے "ذَکِّر" یعنی تم لوگوں کو مسلسل نصیحت اور یاد دہانی کراتے رہو اور انہیں مسلسل خدا تعالیٰ کی طرف اور اچھے کاموں کی طرف بلاتے رہو۔ جب تک دنیا موجود ہے، جب تک قرآن کریم کی تعلیمات زندہ ہیں اس وقت تک یہ طریق بھی جاری رہے گا۔ اس لئے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ نے سو فیصد افراد جماعت کو تبدیل کر دیا ہے اور ہر شخص کو فعال ممبر بنا دیا ہے۔ نہیں بالکل نہیں۔ مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور ہر ایک سے اسکی طبیعت اور نیچر کے مطابق ڈیل اور ٹریٹ کیا جاتا ہے۔

ندیم الرحمن: حضور ایسے افراد جماعت جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے ساتھ برا سلوک کیا گیا ہے یعنی دوسرے افرادِ جماعت نے ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔

حضور: خاص طور پر عہدیداران کی طرف سے نہ کہ عام افراد جماعت کی طرف سے۔ جہاں تک عام افراد جماعت کا تعلق ہے تو انکے برے سلوک کو لوگ برداشت کر لیتے ہیں اور اس کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیتے۔ لیکن اگر عہدیداران کی طرف سے زیادتی ہو تو لوگ بہت زیادہ برا مان جاتے ہیں اور شکوے شکایات اس حد تک جاتے ہیں کہ بالآخر وہ جماعت سے ہی لاتعلقی اختیار کر لیتے ہیں۔ اس لئے جماعتی عہدیداران کو اپنا رویہ تبدیل کرنا چاہئے، وہ نیک اور متقی ہونے چاہئیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں **"ہر صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا۔"** تو آپ کو ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے۔

ٹومی: حضور وہ بنیادی طریق اور راز کیا ہے جس کو بروئے کار لاتے ہوئے ہم جماعتی کاموں، گھریلو زندگی، اپنے کام کاج اور اپنی روحانی ترقی کی کوششوں کے درمیان صحیح توازن قائم کرسکیں؟

حضور: میرے خیال میں آپ کو سوچنا چاہیے کہ دن میں 24 گھنٹے ہوتے ہیں۔ اپنے دن کو ان ذمہ داریوں کے لحاظ سے تقسیم کرلیں۔ آپ کو اپنے بچوں کی ضروریات کا خیال رکھنا چاہئے، ان کو کچھ وقت دینا چاہئے۔ کبھی بچوں اور فیملی کی طرف زیادہ توجہ درکار ہوگی تو کبھی جماعتی کام کی طرف۔ شام کو بالعموم فیملی کیلئے اور جماعتی کاموں کیلئے وقت نکالا جاسکتا ہے۔ جب ایک دفعہ آپ باقاعدگی سے جماعتی کاموں کیلئے روزانہ ایک گھنٹہ یا دو گھنٹے وقت نکالنا شروع کر دیں گے تو پھر آپ اس کو ایڈجسٹ کرسکیں گے تا کہ آپ اپنے گھر والوں کو بھی کچھ نہ کچھ وقت دے سکیں گے۔ آٹھ بجے شام تک آپ کے بچے ہوم ورک اور کھانے سے فارغ ہو چکے ہوتے ہیں اور آپ کی بیوی بھی فارغ ہو چکی ہوتی ہیں اس وقت آپ ان کے ساتھ کچھ وقت گزار سکتے ہیں۔ آپ اپنے آفس سے کب فارغ ہوتے ہیں؟

ٹومی: بالعموم 6 بجے چھٹی کے بعد میں 7 بجے تک گھر پہنچ جاتا ہوں۔

حضور: اسکا مطلب ہے کہ گھر پہنچنے میں ایک گھنٹہ لگتا ہے؟

ٹومی: جی گھر پہنچنے تک ایک گھنٹہ لگ جاتا ہے۔

حضور: کیا آپ خدام الاحمدیہ کو ہر روز ایک گھنٹہ دے پاتے ہیں؟

ٹومی: ایک گھنٹے سے زیادہ کیونکہ مختلف نوعیت کے جماعت کے اور بھی کام ہوتے ہیں۔

حضور: سات بجے گھر پہنچنے کے بعد پھر کیا کرتے ہیں؟

ٹومی: رات کو کھانے کے بعد کچھ وقت بچوں کے ساتھ گزارتا ہوں اور نماز وغیرہ پڑھتا ہوں۔

حضور: جماعتی کاموں کو وقت کب دیتے ہیں؟

ٹومی: میرے بچے چھوٹی عمر کے ہیں وہ عموماً آٹھ بجے سو جاتے ہیں اسکے بعد میں فارغ ہوتا ہوں۔

حضور: تب یہ تو آپ کیلئے اچھا ہے۔ لیکن آپ کو اپنے بچوں کو کچھ نہ کچھ وقت ضرور دینا چاہئے۔ بالخصوص ان مغربی ملکوں میں جہاں جب بچے بڑے ہو رہے ہوں تو ان کے مسائل بھی سر اٹھانے لگتے ہیں۔ جب وہ بارہ تیرہ سال کے ہوتے ہیں یعنی Teenager ہوتے ہیں تو مناسب یہی ہے کہ آپ انکے ساتھ دوستانہ تعلق رکھیں تا کہ وہ آپ کے کنٹرول میں رہیں اور اپنے مسائل آپ کے ساتھ Discuss کرسکیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر آپ جماعتی کاموں کو دو گھنٹے دے دیں تو یہ کافی ہے۔

ٹومی: حضور اتنے وقت میں تو کام ختم نہیں ہوتے۔

حضور: عام طور پر اس سے زیادہ وقت دینا ہر شخص کیلئے ممکن نہیں ہوتا۔ بعض لوگ جماعتی کاموں کے اتنے عادی ہوتے ہیں کہ وہ چاہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ وقت جماعتی کاموں میں صرف کریں۔ لیکن یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ ٹھیک ہے کہ اس طرح کے لوگ بھی ہونے چاہئیں مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ کے ذہنوں میں یہ بات بھی رہنی چاہئے کہ آپ کے بیوی بچوں کا بھی آپ پر حق ہے۔

طارق بی ٹی: حضور اب اگلے حصہ کا تعلق عمومی طور پر عالمی امور سے ہے۔ اس سلسلہ میں پہلا سوال یہ ہے کہ آجکل کے دور میں اگر دنیا پر نظر دوڑائی جائے تو کیا موجودہ سیاسی راہنماؤں یا ماضی کے سیاسی راہنماؤں میں سے ایسے کون لوگ تھے جو آپ کی رائے میں اپنی ذات میں اچھے راہنما تھے۔

حضور: دنیا کے مسائل مختلف قسم کے ہیں۔ پھر کچھ ترقی یافتہ ممالک ہیں اور کچھ غیر ترقی یافتہ ممالک۔ غیر ترقی یافتہ ممالک اپنے معاشی مسائل سے دوچار ہیں اسکی ایک وجہ ان کے اپنے لوگوں کی کرپشن ہے نیز بڑی طاقتوں کی Exploitation ہے۔ یہ صورتحال تبدیل نہیں ہوسکتی جب تک جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر آپ خود کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتے تو کوئی دوسرا آپ کے حالات نہیں بدل سکتا۔ ان مسائل کی ایک اور وجہ تیسری دنیا یا غیر ترقی یافتہ ملکوں کی لیڈرشپ بھی ہے۔ اب تک موجودہ جمہوری نظام والے ممالک میں صرف انڈیا ہی ہے جس کے لیڈر تیسری دنیا کے ممالک سے بہتر دکھائی دیتے ہیں۔ بدقسمتی سے افریقن ممالک میں سے اب تک کوئی ایسی شخصیت مجھے دکھائی نہیں دی جو اپنے ملک کے ساتھ مخلص اور وفادار ہو سوائے ان کے جنہوں نے اپنے اپنے ملکوں کی آزادی کیلئے بڑی محنت اور جدوجہد کی ہے جیسا کہ غانا میں کوامے نکرومہ کی اپنے وطن کیلئے اخلاص اور وفا واضح طور پر نظر آتی ہے وگرنہ باقی سارے نام نہاد محب وطن کہلاتے ہیں۔ مجھے پتہ نہیں کہ سیرالیون کا لیڈر کون تھا۔ دراصل یہ کوامے نکرومہ ہی تھے جنہوں نے سارے افریقہ کی آزادی کی بنیاد رکھی۔

مغربی دنیا میں بھی اچھے لیڈر ہوئے ہیں تاہم جارج بش ان میں سے نہیں ہیں۔ اگر مسلمان ممالک کے لیڈر اپنے ملک اور اپنے عوام سے مخلص ہوں اور مذہب اسلام کی حقیقی تعلیم پر عمل پیرا ہوں یا کم از کم قرآنی ہدایات کی پیروی کریں تو ان مسلمان اقوام میں باہمی کشیدگی اور دشمنی نہ ہو۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ جب کبھی کوئی مسلمان ملک یا اسکی حکومت کسی دوسرے مسلمان ملک کے خلاف جارحیت کی مرتکب ہو تو باقی سب ملکر جارحیت کرنے والے ملک کے

خلاف کاروائی کریں یہاں تک کہ ان کے باہمی معاملات طے پا جائیں ۔ اور جب صلح ہوجائے اور آپس میں معاملات طے پا جائیں تو اسکے بعد پھر آپس میں کوئی دشمنی یا کینہ نہ رکھیں۔ اسکے بعد اس ملک کے بہتر بننے اور اسکی ترقی میں مدد کرنی چاہئے۔ یہ ایک طویل سوال ہے اور اسکا جواب بھی طویل ہے ۔ میری مراد یہ ہے کہ سوال تو فی ذاتہ طویل نہیں لیکن اسکا جواب طوالت طلب ہے۔ لیڈر شپ کو جانچنے کے بہت سے پہلو ہیں مگر مختصراً یہ کہ جو کوئی بھی اپنے ملک کے ساتھ مخلص ہو میرے نزدیک وہی شخص ایک اچھا لیڈر ہے۔

آپ سب کو علم ہے کہ مغربی طاقتوں کے دوہرے معیار ہیں۔ ایک معیار اپنے لئے اور دوسرا غیروں کیلئے۔ ایک معیار غریب قوموں کیلئے ہے اور دوسرا امیر قوموں کیلئے۔ اگر وہ ساری دنیا کے لوگوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرنے لگ جائیں اور اگر وہ دنیا میں قیامِ امن کیلئے سنجیدہ ہوں تو آپ کو ان مغربی طاقتوں کا افریقن ممالک کے ساتھ یا بہت سے ایشیائی ملکوں کے ساتھ یا مشرقی یورپ کے مسلمان ممالک کے ساتھ مختلف سلوک نظر نہیں آئے گا۔ اب بوسنیا اور سربیا کے معاملہ کو ہی دیکھ لیں کہ وہاں کیا ہوتا رہا ہے، اس طرح تو امن قائم نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مغربی طاقتیں قیام امن کیلئے مخلص اور سنجیدہ نہیں ہیں۔

ٹومی: حضور مغربی ممالک میں رہتے ہوئے بعض اوقات خیال کیا جاتا ہے کہ مذہب دنیاوی ترقی اور کیریئر کے راستہ میں رکاوٹ ہے، اس بارہ میں حضور کی کیا نصائح ہیں؟

حضور: اس بارہ میں قرآن کریم کی تعلیمات بہت واضح ہیں۔ آپ قرآن پڑھتے ہیں، یہ کتاب آپ کو ماڈرن سائنس، کائنات، ٹیکنالوجی بلکہ ہر چیز کے بارہ میں بتاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی وضاحت فرما چکے ہیں کہ یہ بات درست نہیں کہ مذہب جدید سائنس سے ہم آہنگ نہیں۔ آپ کے خیال میں وہ کونسی رکاوٹ ہے جو مذہب نے آپ کے سامنے رکھی ہوئی ہے؟

ٹومی: ذاتی طور پر میرے لئے تو ایسا نہیں ہے۔

حضور: یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔ اگر آپ ایک وکیل ہیں تو مذہب یہ نہیں کہتا کہ آپ وکیل نہیں بن سکتے۔ اگر کوئی ڈاکٹر ہے تو مذہب یہ نہیں کہتا کہ آپ ڈاکٹر یا انجنیئر نہیں بن سکتے۔ قرآن اور اسلام خود جدید علوم اور جدید سائنس کی طرف راہنمائی کر رہا ہے۔ تو پھر کیسے ممکن ہے کہ یہ اس کا راستہ روکے یا ایسے دنیاوی امور میں رکاوٹ ڈالے۔

1908ء میں جب جان کلیمنٹ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات کی ۔ جان کلیمنٹ نیوزی لینڈ کے ایک ماہر فلکیات تھے اور انہوں نے ہی افریقہ اور Katrina وغیرہ میں آنے والے سمندری طوفانوں کو نام دیئے تھے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملے تو انہوں نے بھی یہی سوال کیا تھا کہ سائنس کے بارہ میں اسلام کیا کہتا ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جواب دیا کہ قرآن کریم کہتا ہے کہ جدید علوم اور جدید ٹیکنالوجی کو Explore کیا جائے اور ان سے فوائد حاصل کئے جائیں، اس میں کوئی روک نہیں۔ پس مذہب جدید سائنسی علوم کے حصول میں مانع نہیں ہے بلکہ وہ تو کہتا ہے کہ دونوں ایک ساتھ کارفرما ہیں، مذہب سائنس کے متعلق معلومات دیتا ہے اور سائنس مذہب کے متعلق بتاتی ہے۔ اسی لئے ڈاکٹر عبد السلام صاحب کے سائنسی تجربات کی بنیاد قرآنی آیات پر مبنی تھی۔ جب مذہب سائنسی تحقیقات میں کوئی روک نہیں ڈالتا تو پھر باقی معاملات میں کیوں روک بنے گا۔ البتہ مذہب اس سے ضرور روکتا ہے کہ مثلاً اگر دنیا کہے کہ طوائف کے پاس جاؤ یا اس قسم کے برے کام کرو تو اسے رکاوٹ تو نہیں کہتے یہ تو اخلاقی تعلیم ہے۔ اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ مذہب کو شراب نوشی یا کسی ایسی چیز سے جو نشہ کا عادی بنانے والی ہو سے منع نہیں کرنا چاہیئے۔ لیکن مذہب ایسی باتوں سے روکتا ہے۔ اگر اس قسم کی باتوں کو آپ دنیوی معاملات کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہے مذہب ان سے روکتا ہے۔

ندیم الرحمن: دنیا کے لوگوں اور انکی لیڈر شپ کیلئے حضور کی کیا نصیحت اور پیغام ہے؟

حضور: میں کئی دفعہ یہ نصیحت کر چکا ہوں کہ انہیں خدا کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ جب تک وہ اس بات کو نہیں سمجھتے اور اس کا احساس نہیں کرتے کہ انہیں اپنے خالق کی ہدایات اور اسکی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیئے اور یہ کہ وہ ان سے کیا چاہتا ہے، اسوقت تک دنیا میں صحیح معنوں میں امن کا قیام نہیں ہوسکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں دو ہی مقاصد لیکر آیا ہوں ۔ پہلا یہ کہ لوگوں کا تعلق خدا سے جوڑوں اور دوسرا یہ کہ انسان کو دوسرے انسانوں کے حقوق اور ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کروں۔

طارق بی ٹی: دنیا کو اس وقت جو چیلنج درپیش ہیں ان میں سے ایک موسمی تبدیلی بھی ہے۔ دنیا کا کم وبیش ہر لیڈر موسمی اور ماحولیاتی تبدیلی کے متعلق ضرور بات کرتا ہے۔ ہر جگہ موسمی تبدیلی کی بات ہو رہی ہے اور یہ کہ ہمیں اس کیلئے عملی اقدامات کرنے چاہئیں۔ کیا اس موضوع پر حضور کچھ فرمانا پسند فرمائیں گے؟

حضور: اس کا کلیۃً تعلق Check and balance system سے ہے۔ دنیا کے نظام میں جو اعتدال اور توازن اس کے خالق نے رکھا تھا اس کو اگر خراب کیا جائے تو لازماً اس کے نتیجہ میں عدم توازن کے مسائل پیدا ہوں گے۔ مگر اب جدید تحقیق کرنے والے اپنے موقف کو تبدیل کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صرف پٹرول اور گیسز کا استعمال اور درختوں کا کاٹا جانا ہی اس تبدیلی کا سبب نہیں ہے۔ تاہم میرے خیال میں اس بات میں بھی صداقت ہے، خاص طور پر افریقہ اور ایشیا کے ممالک میں جنگلات بڑی تیزی سے بلکہ میں تو کہوں گا کہ ظالمانہ طور پر کاٹے جا رہے ہیں اور اسکے مقابل پر نئے درخت لگانے کی طرف توجہ نہیں ہے۔ دوبارہ جنگلات لگانے اور ان کے احیا کیلئے کوئی کام نہیں ہو رہا۔ اگرچہ محکمہ جنگلات کی طرف سے اس مقصد کیلئے شجر کاری کے دفاتر قائم کئے گئے ہیں لیکن وہ اپنا مفوضہ کام پوری طرح نہیں کر رہے۔ اسی طرح یہاں پر بھی چونکہ آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے اور اس وجہ سے جنگلات میں کمی ہو رہی ہے۔ لیکن شہروں اور قصبوں میں شجر کاری کی جا سکتی ہے لیکن یہ نہیں کی جا رہی۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاں آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے، لوگوں میں سستی بھی بڑھ رہی ہے جس کی وجہ سے جدید ٹیکنالوجی کے استعمال میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور ہر شخص کار کے ذریعہ سفر کرنا چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ تیسری دنیا کے ملکوں مثلاً نائجیریا میں کاروں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ جب حکومت نے اس مشکل کے حل کیلئے ایسا اقدام کیا کہ ایک دن طاق نمبروں والی کاروں پر اور دوسرے دن جفت نمبر والی کاروں پر پابندی لگا دی تو لوگوں نے اس مسئلہ کا یہ حل نکالا کہ چونکہ اُس وقت وہاں کے لوگوں کے پاس پیسے کی فراوانی تھی، آجکل مجھے علم نہیں، ہر گھرانے نے دو کاریں خرید لیں ایک طاق نمبر والی اور دوسری جفت نمبر والی۔

گیسوں کا اخراج مسلسل بڑھ رہا ہے۔ آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ بھی ماحول کو متاثر کر رہے ہیں۔ پھر جنگلوں کو کاٹا جانا، مشینری کا استعمال، حتی کہ پنکھے اور لائٹس یہ سب چیزیں گرین ہاؤس کو متاثر کر رہی ہیں۔ ان سب چیزوں پر غور کرنا ہوگا کہ کس طرح اس مسئلہ کو حل کیا جا سکتا ہے؟ اب تو کم توانائی استعمال کرنے والے بلب بھی بنائے جا رہے ہیں اور غالباً 2015 تک ان کا خیال ہے کہ وہ دنیا کے ہر ملک میں توانائی کا استعمال کم کرانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ مگر درخت اور پودے لگانا سب سے اہم کام ہے۔ مجھے یاد ہے جب میں چھوٹی عمر کا تھا تو سفر کرتے ہوئے جونہی راولپنڈی سے گزرتے اور اوپر مری کی طرف جاتے تو وہاں گھنے جنگلات دکھائی دیا کرتے تھے مگر اب وہ سارا علاقہ اور پہاڑ بنجر زمین کی طرح نظر آتے ہیں۔

ٹومی: بہت سے یورپین ملکوں میں ایک تحریک دکھائی دیتی ہے کہ عورتوں کے سر ڈھانکنے کی حوصلہ شکنی کی جائے اور اسے روکا جائے۔ اس صورتِ حال میں اس بات کو یقینی بنانے کیلئے کہ اس غرض سے کوئی قانون سازی نہ ہونے پائے، ہمیں کیا اقدامات کرنے چاہئیں۔

حضور: اگر مسلمانوں میں اتحاد ہو تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہمارے لباس اور مذہب کا حصہ ہے اور یہ ہماری عورتوں کے تقدس اور احترام سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر دنیا کی عورتیں ہر ملک میں متحد ہوں تو وہ کہہ سکتی ہیں کہ ہم سکارف میں اپنے آپ کو زیادہ آرام محسوس کرتی ہیں۔ یہ ہمارے تقدس کیلئے ہے۔ ہم اسے ترک نہیں کرنا چاہتیں۔ عورتوں کی بہت سی تنظیمیں ہیں جنہوں نے دوہرے انداز اختیار کئے ہوئے ہیں ۔ بعض اوقات وہ کہتی ہیں کہ ہم سکارف نہیں چاہتیں اور بعض جگہوں پر وہ سکارف نہیں پہننا چاہتیں۔ لیکن جب مسلمان لڑکی کی پہچان کا معاملہ ہو تو وہ کہتی ہیں کہ ہمارا سکارف ہونا چاہیئے۔

سب سے پہلے تو آپ کو اپنے دل کو پاک صاف کرنا ہوگا۔ اگر مسلمان دنیا کے تمام ممالک متحد ہوں اور وہ پُر زور انداز میں کہیں کہ یہ ہمارا مذہبی فریضہ ہے کہ ہماری عورتیں سکارف اوڑھیں اور ہم اسے کسی صورت بھی چھوڑ نہیں سکتے اور دنیا کے کسی بھی ملک کی کوئی مسلمان لڑکی سکارف کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے تو ایسی صورت میں میرا خیال ہے کہ عیسائیوں کی طرف سے سکارف کے خلاف اس طرح کا شور وغوغا نہیں ہوگا۔ مگر بدقسمتی سے ہم اپنے اس مذہبی معاملات پر مضبوطی سے کاربند نہیں ہیں۔ صرف سکارف اوڑھنا کوئی معنی نہیں رکھتا جب تک بطور مسلمان کے مذہب پر مکمل طور پر عمل نہ کیا جائے۔ میں نے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ احمدی لڑکیاں جو مضبوط ایمان والی ہیں انہوں نے ایسے اعتراضات کے باوجود اپنے سروں سے سکارف نہیں ہٹایا۔ ایک لڑکی کو اس وجہ سے اس کے Boss کی طرف سے نوٹس دیا گیا تھا کہ اگر اس نے کام کے دوران اپنے دفتر میں سکارف اوڑھنا نہ چھوڑا تو اسے کام سے فارغ کر دیا جائے گا۔ اس احمدی لڑکی نے کہا کہ وہ سکارف لینا نہیں چھوڑے گی ۔ اس آدمی یعنی اس کے Boss نے اسے ایک مہینہ کا نوٹس دیا تھا۔ وہ بہت نیک لڑکی تھی، اس نے خدا تعالیٰ سے دعا کی ۔ اس لڑکی نے بتایا کہ Boss کی دی ہوئی مدت ختم ہونے سے پہلے خود اُس Boss کو کام سے فارغ کر دیا گیا۔ تو آپ کا خدا سے ذاتی تعلق ہونا چاہیئے اور مسلمان ممالک میں یکجہتی ہونی چاہیئے ۔ اگر وہ سب اکٹھے اور متحد ہوں تو ان کا جواب

یہ ہوگا کہ اچھا اگر تم ایسا کروگے تو ہم تمہیں یعنی مغربی ممالک کو تیل دینا بند کردیں گے۔ تو اس کے نتیجہ میں یہ لوگ ڈھیلے پڑ جائیں گے۔ مگر کون ہے جو اس قدر جرأت والا قدم اٹھائے؟

ٹومی: حضور کونسی کھیلیں پسند کرتے ہیں؟

حضور: پچھلی مرتبہ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ میں بہت سی کھیلوں میں حصہ لیتا رہا ہوں۔ مگر کسی بھی کھیل میں زیادہ اچھا نہیں تھا۔ میں نے کرکٹ بھی کھیلی ہے، بیڈمنٹن بھی کھیلتا رہا ہوں۔ مگر کبھی بھی کھیلوں سے دیوانگی والا لگاؤ اور شوق نہیں تھا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ کرکٹ میچ ہو رہا ہو تو صبح سے شام تک اسے دیکھنے کے لئے بیٹھے رہتے ہیں۔ میرے ساتھ ایسا نہیں تھا لیکن مجھے کرکٹ پسند ہے۔

طارق بی ٹی: کیا ہم حضور سے یہ بات پوچھ سکتے ہیں کہ انگلستان اور پاکستان کھیل رہے ہوں تو حضور ان میں سے کس کو Support کریں گے۔ یہ وہ سوال ہے جو اکثر نوجوانوں اور بچوں سے سکول میں پوچھا جاتا ہے کہ وہ کس کو Support کرتے ہیں؟

حضور: انہیں یہ جواب دینا چاہئے کہ حب الوطن من الایمان یعنی وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے۔ اگر وہ برٹش نیشنل ہیں تو اس صورت میں انہیں انگلستان کو Support کرنا چاہئے۔ اگر زمبابوے سے تعلق رکھتے ہیں تو زمبابوے کو Support کریں۔ لیکن اگر یوکے کی نیشنیلیٹی ہے تو پھر یوکے کو Support کرنا چاہئے۔

ٹومی: لیکن اگر دونوں ملکوں کی نیشنیلیٹی ہو تو پھر؟

حضور: پھر آپ کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ آپ کو زیادہ Benefits کہاں مل رہے ہیں؟

ندیم الرحمن: حضور کا پسندیدہ کھانا کون سا ہے؟

حضور: مجھے Sea food پسند ہے مگر آج صبح جب میں ٹی وی کے پاس سے گزر رہا تھا تو کوئی شخص کسی عورت سے پوچھ رہا تھا کہ اس کا پسندیدہ کھانا کونسا ہے تو اُس نے جواب دیا کہ Sea food اور خاص طور پر Lobster۔ مگر مجھے Lobster پسند نہیں۔ بہرحال میں بہت زیادہ نہیں کھاتا اگر اچھا بنا ہوا ہو تو مجھے Sea food پسند ہے۔ مجھے چکن بریسٹ بھی پسند نہیں بلکہ ٹانگ کا گوشت کھاتا ہوں۔

طارق بی ٹی: حضور آخری سوال یہ ہے کہ آغاز خلافت یا اس سے بھی پہلے کی زندگی کا کوئی دلچسپ واقعہ یا لطیفہ جو حضور کو یاد ہو۔ یا سفر کے دوران پیش آنے والا کوئی واقعہ جو حضور ہمارے ساتھ Share کرنا پسند کریں۔

حضور: واقعہ مجھے اتنی جلدی یاد نہیں آتا۔ کوئی یاد آ گیا تو بتادونگا۔ ایک دفعہ نتھیا گلی میں ہماری فیملی اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اکٹھے ایک جگہ ٹھہرے تھے۔ وہاں روزانہ میری اور حضرت صاحب جو ہائیکنگ ہوتی تھی، اوپر پہاڑوں پر جاتے تھے، ٹریکنگ جسے کہہ سکتے ہیں۔ تو اسے ہم راستہ میں بہت Enjoy کیا کرتے تھے۔ لطیفے بھی ہوتے تھے لیکن یاد نہیں آرہے۔

یہاں ایک دفعہ دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا تو حضور نے واقعہ سنایا۔ ہمارے دادا حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ مزاحیہ شعر لکھا کرتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جلسہ کے بعد بعض دفعہ شکار پر جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ نیل گائے کے شکار پر گئے۔ ایک بزرگ بھی ساتھ تھے۔ انہوں نے دور گھاس میں کچھ ہلتے دیکھا۔ بڑی اونچی گھاس تھی۔ کان بھی انہیں نظر آئے، وہ سمجھے نیل گائے ہے چنانچہ انہوں نے فائیر کردیا۔ تھوڑی دیر بعد وہاں سے گدھے کی آواز آنی شروع ہوئی۔ اور ایک آدمی بڑے غصہ کی حالت میں وہاں سے باہر آیا کہ یہ کیسے لوگ ہیں کہ انہیں یہ بھی پتہ نہیں لگتا کہ نیل گائے ہے یا گدھا ہے۔ ابھی میرا گدھا مارنے لگے تھے اور مجھے بھی ساتھ ہی مارنے لگے تھے۔ چونکہ رائفل کا فائیر تھا اس لئے شکر ہے کہ اسے لگا نہیں اور وہ بچ گیا۔ اس پر حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ نے شعر سنائے:-

یہ زمانہ کیسا بدل گیا
کہ جنہیں یہ بھی نہیں پتہ
ہے گدھے میں گائے میں فرق کیا
چلے گھر سے کرنے شکار ہیں
نہ وہ نیل گائے ہیں مارتے
نہ ہرن کا کچھ ہیں بگاڑتے
بس صرف میرے کان ہیں پھاڑتے
انہیں بس مجھی سے نِکار ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے انہوں (حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ) نے کہا کہ یہ شعر میں نے لکھے ہیں۔ تم فلاں بزرگ سے پوچھو کہ یہ کس کے متعلق ہیں۔ وہ انہی (بزرگ) کے متعلق تھے۔ ان کو بڑا غصہ آیا اور کہنے لگے کہ تمہاری حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو شکایت کرونگا۔

بہرحال بڑے لطیفے ہوا کرتے تھے۔

☆☆☆

جلسہ سالانہ میں شرکت کرنے والوں کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دُعائیں

’’اے خدا ذوالمجد والعطاء ہر یک صاحب جو اس للّٰہی جلسہ کیلئے سفر اختیار کریں خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہو اور ان کو اجر عظیم بخشے اور ان پر رحم کرے اور ان کی مشکلات اور اضطراب کے حالات ان پر آسان کر دیوے اور ان کے ہم و غم دور فرماوے اور ان کو ہر یک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے اور ان کی مرادات کی راہیں ان پر کھول دیوے اور روز آخرت میں اپنے ان بندوں کے ساتھ ان کو اٹھاوے جن پر اس کا فضل و رحم ہے اور تا اختتام سفر ان کے بعد ان کا خلیفہ ہو۔ اے خدا اے ذوالمجد والعطاء اور رحیم اور مشکل کشا یہ تمام دعائیں قبول کر اور ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر یک قوت و طاقت تجھ ہی کو ہے۔ آمین ثم آمین‘‘۔

(اشتہار ۷ دسمبر ۱۸۸۲ مجموعہ اشتہارات۔ جلد اوّل صفحہ ۳۴۲)

قادیان میں روٹی پلانٹ کا افتتاح

سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جلسہ سالانہ قادیان کی بڑھتی ضروریات کے مدنظر لبنان سے ایک روٹی پلانٹ منگوا کر عنایت فرمائی ہے۔

اس پلانٹ کی تنصیب کیلئے محلہ دارالانوار میں واقع گیسٹ ہاؤسز سے ملحقہ زمین میں 100x80 فٹ کا وسیع و عریض ہال جدید تکنیک کے ساتھ تعمیر کیا گیا ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد پر مکرم حیدرالدین ٹیپو صاحب نے اس پلانٹ کو لبنان سے بھجوانے اور قادیان پہنچنے پر اس کی تنصیب اور اس کو چلانے کے سلسلہ میں کاروائی کی۔ **جزاکم اللہ احسن الجزاء**

مکرم فاتح احمد خان صاحب ڈاہری انچارج انڈیا ڈیسک لندن گزشتہ دنوں جب قادیان تشریف لائے تو حضور انور کی اجازت سے آپ کے ذریعہ اس روٹی پلانٹ کے رسمی افتتاح کی کاروائی عمل میں لائی گئی۔ چنانچہ مورخہ ۱۱ نومبر ۲۰۱۲ کو بعد نماز عصر قادیان کے ہر سہ مرکزی انجمن کے صدران ناظران وکلاء و ناظمین اور افسران صیغہ جات کو مدعو کیا گیا تھا سب سے پہلے مکرم فاتح احمد خان صاحب ڈاہری نے اس پلانٹ کا معائنہ فرمایا اور بٹن دبا کر روٹی مشن کو آن کیا۔ جس کے بعد خودکار مشین کے ذریعہ پیڑے بن کر روٹی بیلی جاتی ہے اور مختلف بیلٹوں سے گزر کر Oven میں جاتی ہے اور وہاں سے بیلٹوں سے گزر کر ٹھنڈی روٹی نکلتی ہے۔ اس کے بعد دُعائیہ تقریب منعقد ہوئی جس میں تلاوت قرآن کریم کے بعد مکرم ناظر اعلیٰ صاحب قادیان نے اس نئے حال کی تعمیر اور روٹی پلانٹ کی تنصیب کے سلسلہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی شفقت اور رہنمائی کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے رسالہ فتح اسلام میں جن پانچ عظیم الشان شاخوں کا ذکر فرمایا ہے ان میں سے ایک اہم شاخ تحقیق حق اور حصول معرفت کیلئے مرکز میں آنے والے مہمانوں کے انتظام و انصرام کو بیان فرمایا ہے۔

ابتداء میں تو حضرت مسیح موعودؑ کا مکان اور گول کمرہ ہی مہمان خانہ ہوا کرتا تھا اور حضور علیہ السلام خود ہی مہمان نوازی کے تمام فرائض سرانجام دیتے رہے۔ پھر جب براہین احمدیہ کی اشاعت کے بعد مہمانوں کی کثرت ہونے لگی تو لنگر خانہ کا انتظام فرمایا۔ اور اس کی نگرانی کی کیلئے مہتمم مقرر فرمایا لیکن حتی الوسع مہمان نوازی کی خود ہی نگرانی فرماتے رہے۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم حضورؑ کی پیشگوئیوں کے مطابق ساری دنیا میں اس شاخ کو پھلتا پھولتا دیکھ رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ایک شعر میں اس مضمون کو یوں بیان فرمایا ہے۔

لفاظات الموائد کان اکلی   فصرت الیوم مطعام الاھالی

یعنی ایک زمانہ وہ بھی تھا جب دستر خوانوں کے بچے ہوئے ٹکڑے میری خوراک ہوا کرتے تھے لیکن آج یہ حال ہے کہ متعدد خاندان میرے دستر خوان پر پل رہے ہیں۔

چنانچہ دنیا کے ۲۰۰ سے زائد ممالک میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لنگر قائم ہو چکے ہیں اور جلسہ سالانہ اور دیگر اجتماعات پر ہزاروں لاکھوں لوگ اس لنگر سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ بہرحال انشاء اللہ تعالیٰ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی اس توجہ اور شفقت سے اس جلسہ سالانہ قادیان میں یہ روٹی پلانٹ کام کرے گا۔ جو ایک گھنٹے میں چار ہزار سے لیکر سات آٹھ ہزار تک روٹیاں تیار کرسکتا ہے۔

اس تعارفی تقریب کے بعد محترم انچارج صاحب انڈیا ڈیسک نے حاضرین سمیت اجتماعی دُعا کروائی۔ اللہ تعالیٰ اس مشین کو ہر لحاظ سے بابرکت فرمائے اور اس میں جملہ خدمت کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

(ادارہ)